آصف جاہ ثانی

یعنی

حضرت غفران مآب نواب میر نظام علی خان بہادر کے عہد حکومت کے تفصیلی حالات

مقالہ امتحان ۔ ام ۔ اے ۔ (تاریخ) جامعہ عثمانیہ

(از)

میر محمود علی ۔ ام ۔ اے ۔ لکچرار تاریخ ہند سٹی کالج

مولف گلدستہ تاریخ ہند

ناشر

خاکسار سید عبد القادر تاجر کتب و گورنمنٹ ایجوکیشنل پرنٹر

رجب سنہ ۱۳۴۷ھ م بہمن سنہ ۱۳۳۸ف م ڈسمبر سنہ ۱۹۲۸ء

اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد دکن

نواب میر نظام علیخان بہادر آصف جاہ ثانی

تعارف

کسی کتاب کے مطالعہ کرنیوالوں کے سامنے کتاب یا اُس کے مؤلف کا تعارف ایک حد تک غیر ضروری معلوم ہوتا ہے اِس لئے کہ وہ اُس کو پڑھکر خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ کتاب کس پایہ کی ہے۔ لیکن جب تک مؤلف کی ذات سے کم از کم بالواسطہ تعارف نہ ہو اُس وقت تک اُن کی ذہنیت اور اُن اثرات کا اندازہ مشکل سے ہوسکتا ہے جن کے تحت کتاب کی تالیف عمل میں آئی۔

کتاب ہذا کے مؤلف میر محمود علی صاحب۔ ایم۔ اے۔ نے اپنے تاریخی ذوق کا ثبوت دیگر ابتداہی میں ایک خاص رتبہ حاصل کرلیا تھا، چنانچہ جب وہ بی۔ اے کے امتحان میں جملہ طلبہ جامعہ عثمانیہ میں فن تاریخ میں سب سے اول آئے تو اُنکے محبتوں کو اِس ذوق کا پوری طور پر اندازہ ہوا اور جب سٹی کالج میں معلّمی تاریخ کی ایک جائداد قائم ہوئی تو وہاں کے ارباب حل وعقد کی نظر معاً اُن کی طرف پڑی اور اُنہیں اُس کے لئے منتخب کرلیا گیا۔

میر محمود علی صاحب کا وطن محمد آباد بیدر عرصہ دراز تک دکن کے بہمنی اور

بریدشاہی سلاطین کا پایہ تخت رہا ہے اور یہاں اِس وقت تک حضرت غفران مآب
نواب میر نظام علی خاں بہادر کا محلِ قیام اور اُن کے دو صاحبزادوں کے مقبرے
موجود ہیں، شاید اسی تعلق کے باعث میر محمود علی صاحب کو بی۔ اے میں کامیاب
ہوتے ہی حضرت میر نظام علی خان بہادر کی تاریخ کے ساتھ خاص لگاؤ پیدا ہوگیا
اور جب یہ سوال اُٹھا کہ ایم۔ اے کے امتحان کے لیئے وہ کس موضوع پر مقالہ
لکھینگے تو اُنھوں نے حضرت غفران آب انار اللہ برہانہ کے زمانہ کی تاریخ پر قلم
اُٹھانے کا تہیہ کر لیا۔

یہ کتاب جو اِس وقت ناظرین کے سامنے پیش ہے دراصل میر محمود علی صاحب
کے امتحان ایم۔ اے کا مقالہ ہے حضرت غفران آب کا زمانہ تاریخ دکن میں
ویسے بھی نہایت درجہ انقلاب آمیز ہے جس میں نہ صرف دو عظیم الشان یورپی
دول کے مابین سرزمین ہند پر کشمکش جاری تھی، بلکہ چراغ دہلی کے شعاعوں کے
بے نور ہو جانیکے باعث اس ملک میں ایک عجیب تاریکی اور افراتفری پھیلی
ہوئی تھی۔ ایک طرف مرہٹے دوسری طرف میسور پھر انگریز اور فرانسیسی،
اور ان سب میں باہمی جھگڑے اور تنازعات، حقیقت میں یہ خدا کی مہربانی،
حیدرآباد کی قسمت اور نواب میر نظام علی خان بہادر کے تدبّر کا ہی نتیجہ
تھا کہ نہ مرہٹے رہے نہ میسور اور نہ فرانسیسی، لیکن فضل الٰہی سے اُس زمانہ
کے حکمرانِ دکن کے نسل کا ایک فرد آج بھی تخت حیدرآباد پر جلوہ افروز ہے۔

یہ کتاب ایک اور امر کے باعث بھی آج کل کے زمانہ میں خصوصاً نہایت
اہم ہے ہندوستان کے بعض اخبارات تحریراً اور بعض رہبر تقریراً اس

مسئلہ پر بحث کر رہے ہیں کہ جب ہندوستانیوں کے سیاسی اختیارات میں توسیع ہوگی اور حکومت کی باگ رفتہ رفتہ کم و بیش کلیتہً ہندوستانیوں کے ہاتھ میں آ جائیگی تو ہندوستانی مجالس قومی اور ہندوستانی نیم خود مختار فرمانرواؤں کے مابین کس قسم کے تعلقات ہونگے، آیا ان فرمانراؤں کی حیثیت آئندہ بھی وہی رہیگی جو اسوقت ہے یعنی اُن کے تعلقات ہندوستانی وزیر خارجہ کے ساتھ اسیطرح سے رہینگے جیسے آج وزیر ہند اور معتمد معاملات خارجہ کے ساتھ ہیں یا نہیں یا دوسرے الفاظ میں اس جدید تنظیم میں آیا یہ پہلے سے زیادہ خود مختار ہو جائینگے یا آئندہ سوراجی وفاقیہ ہند کے اجزا بن جائینگے جب سے دستور ہند پر نظر ثانی کا مسئلہ پیش ہوا ہے اُسی وقت سے اس مسئلہ نے بھی ایک خاص اہمیت حاصل کر لی ہے حضرت غفران مآب کا زمانہ دراصل برطانیہ اور ہندوستانی فرمانرواؤں کے تعلقات باہمی کے اوائل کا زمانہ ہے، اور اسی میں اُس عہد معاونت کی ابتدا ہوتی ہے، جس کے ذریعہ سے برطانوی حکومت نے ہندوستانی ریاستوں پر ایک خاص اثر پیدا کر لیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کوئی شخص مسئلہ ریاست ہائے ہند کو اُس وقت تک نہیں سمجھ سکتا جب تک کہ اس عہد کا بغور مطالعہ نہ کرے، جسپر فاضل مؤلف نے اس قدر جانکاہی اور محنت کی ہے۔

پانچ سال ہوئے جب ارباب جامعہ نے یہ طے کیا کہ جامعہ میں ایم۔ اے کے امیدواروں کا امتحان لیا جائے اور اُس کی تیاری کے واسطے درس کا سلسلہ شروع کر دیا جائے تو مجلس نصاب تاریخ کے متفقہ سفارش پر یہ قرار پایا کہ دیگر مضامین کے ساتھ ساتھ جسمیں اُمیدواروں کا امتحان لیا جائے طلبا کسی تاریخی

موضوع پر مقالہ لکھ کر ممتحنین کے سامنے پیش کریں اُس وقت اِس تحریک کے موئدوں کے سامنے صرف مبادیات تجسّس تاریخی ہی تھے، لیکن پچھلے تین یا چار سال میں جو مقالے پیش کئے گئے ہیں اور جنہیں کامیابی امتحان کے لئے کافی گردانا گیا ہے اُن کی تیاری میں اُمیدواروں نے بہت کچھ محنت کی ہے اور اُنہیں اچھے خاصے تاریخی معیار پر پہونچا دیا ہے۔ لیکن جتنے مقالے اِس وقت تک لکھے گئے ہیں اُن میں صرف میر محمود علی صاحب کا مقالہ ہی ایسا ہے جو تاریخ دکن کے کسی موضوع پر لکھا گیا ہے اور اِس موضوع پر محنت کر کے میر محمود علی صاحب نے اپنے حُبِ وطن اور محبت دکن کا عملی ثبوت دیا ہے مجھے یقین ہے کہ یہ کتاب نہ صرف عام ناظرین کی دلچسپی کا باعث ہوگی بلکہ اِس مخصوص عہد کا مطالعہ کرنیوالوں کے لئے بھی مُفید اور کارآمد ہوگی۔ میرا روئے سخن خاصکر طلبۂ کلیہ جامعہ عثمانیہ کی طرف ہے، اِس لئے کہ اِس کی تالیف ایک ایسے شخص نے کی ہے جس کا نقطہ نظر خود طالب علمانہ اور محققانہ تھا، اور اِس میں انہی اُمور پر زور دیا ہے جو دکن کی تاریخ کے محقق کے لئے اہم اور کارآمد ہیں۔ مجھے اُمید ہے کہ فن تاریخ میں دلچسپی لینے والے ارباب حل وعقد مولّف کی ہمت افزائی کرینگے تاکہ دوسروں کو بھی تاریخ دکن پر قلم اُٹھانیکی ہمت ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ آجکل جو کچھ زندگی اُردو ادبیات میں عموماً اور تاریخ میں خصوصاً نظر آتی ہے وہ جامعہ عثمانیہ کا ایک ادنیٰ کارنامہ ہے، اور جس عہد کی یہ جامعہ پیداوار ہے اُس پر نہ صرف دکن بلکہ تمام سرزمین ہند جسقدر فخر کرے بجا ہے۔

ہارون خان شیروانی ایم۔ اے (آکسن)

۱۷ ابہمن ۱۳۴۳ف سینیر پروفیسر تاریخ و سیاسیات کلیہ جامعہ عثمانیہ

فہرست مضامین

نواب نظام علیخان بہادر کا عہد حکومت

سنہ ۱۷۶۱ء تا سنہ ۱۸۰۳ء

مقالہ ہذا کی تیاری میں منجملہ اور کتابوں کے حسب ذیل فارسی قلمی، اُردو اور انگریزی کتابوں سے بطور خاص مدد لی گئی ہے

نام کتاب	زبان	نام مصنف	کیفیت
(۱) خزانہ عامرہ	فارسی	میر غلام علی آزاد	بمعصر تاریخ ۱۱۷۶ھ
(۲) مآثر الامرا ہر سہ جلد	،،	صمصام الدولہ شاہ نواز خاں	مطبوعہ کلکتہ ۱۸۸۸ء
(۳) انشائے موسوی خان جرأت	قلمی فارسی		المتوفی ۱۱۷۵ھ
(۴) سوانح دکن	،،	منعم خان اورنگ آبادی ۱۱۹۷ھ	بمعصر تاریخ ۱۱۸۵ھ
(۵) توزک آصفیہ	فارسی	تجلی علی شاہ	،،
(۶) حدیقۃ العالم جلد دوم	،،	میر عالم	،،
(۷) تحفۃ العالم	،،	عبد اللطیف شوشتری	،،
(۸) تواریخ فرخندہ	قلمی فارسی	محمد قادر خان منشی ساکن بیدر ۱۲۴۰ھ	
(۹) تاریخ ماہ نامہ	،،	مؤلفہ غلام حسین خان جوہر منصبدار	،،
(۱۰) سیر المتاخرین ہر سہ جلد	فارسی	غلام حسین ۱۱۹۵ھ	،،
(۱۱) ہندی مملکت برطانیہ	اُردو	سر الفرڈ لائیل کی کتاب کا ترجمہ	A. Loyall's Rise and expansion of Br. Dominions in India
(۱۲) رشید الدین خانی	،،	غلام امام خاں ۱۸۸۲ء	
(۱۳) خورشید جاہی	،،	غلام امام خاں ۱۳۲۰ھ	
(۱۴) دربار آصف جلد اول	،،	غلام صمدانی خاں گوہر	
(۱۵) گلزار آصفیہ	فارسی	خواجہ غلام حسین خان المخاطب بہ خان زمان خان خلف مسیح الدولہ حکیم الملک معالج خاص نواب آصف جاہ ثانی	

AUTHORITIES AND DOCUMENTS.

1. A collection of Treaties, Engagements, and Sunnuds relating to India and neighbouring countries, by C. U. Aitchison Vol. V. (Foreign Office Press, Calcutta, 1876).

2. A Narrative of the Campaign in India which terminated the war with Tippoo Sultan in 1792, by Major Dirom (London 1793).

3. A Review of the origin, Progress and result of the late Decisive war in Mysore, by Col. Wood (London 1,800).

4. Wellesley's Despatches Edited by Owen. (MDCCCLXXVII. (Clarendon Press, Oxford.)

5 Aurangabad Gazetteer. (Times of India Press, Bombay, 1884).

6. Imperial Gazetteer of India (Hyderabad State). (Govt. Printing House, Calcutta, 1909).

HISTORIES.

7. Rise and Progress of the British Power in India by Peter Auber Vol. II. (Allen & Co. London, 1837.)

8. Malcolm's Political History of India Vol. I (London, MDCCCXXVI).

9, A History of the Marathas by J. Grant Duff Vol. III. (Longmans Green & Co. London, 1826).

10. A History of the Maratha people by Kincaid and Parasnis 3 Vols. (Oxford University Press, 1918).

11. History of Jahangir by Prof. Beni Prasad (Oxford University Press, 1922).

12. A History of Nizam Ali Khan by W. Hollingbery (Harkaru Press Calcutta, 1805.)

13. Historical and Descriptive Sketch of H. H. the Nizam's Dominions by S. Hossain Bilgrami and Wilmott. 2 Vols. (Times of India Steam Press Bombay, 1883).

14. The Nizam. The Orgin and Future of the Hyderabad State by Paton Macauliffe (The Le Bas Prize Essay, Cambridge 1904).

15. Our Faithful Ally the Nizam, by Captain Hastings Fraser (Smith Elder & Co. London, 1865).

16. The Nizam, His History and relations with the British Government by H. G. Briggs (Piccadilly, London, 1861.)

دکن کی گزشتہ عظمت سے قطع نظر فی زمانناہندوستانی ریاستوں
میں سلطنت حیدرآباد کو جو وقعت حاصل ہے اور ہندوستان اور انگلستان
غرض ہر جگہ "مسئلہ برار" کے سلسلہ میں حیدرآباد کی سیاسی اہمیت جو دن بدن
بڑھتی جارہی ہے وہ محتاج بیان نہیں تاریخی واقعات کی بنا پر یہ کہا جاسکتا ہے
کہ اس وقت سلطنت حیدرآباد کے اصلی حدود باقی نہیں رہے ہیں لیکن اب
بھی ممالک محروسہ سرکار عالی کا موجودہ رقبہ یورپ کے بعض ممالک سے بڑا ہوا
یعنی اڑتالیس ہزار مربع میل ہے جس کی سالانہ آمدنی سات کروڑ آٹھ[الف] لاکھ
سے زیادہ اور آبادی تقریباً ڈیڑھ کروڑ ہے۔

جس طرح سے بلحاظ رقبہ آبادی اور آمدنی سلطنت حیدرآباد "ہندوستانی
ریاستوں" میں سب سے بڑھی ہوئی ہے اسی طرح سرکار نظام کے اقتدارات
ہندوستانی والیان ریاست میں سب سے اعلیٰ ہیں چنانچہ ممالک محروسہ
میں اپنے نام کا خطبہ اور سکہ جاری رکھنے کے علاوہ ہر قسم کے محاصل عاید کرنے
قوانین نافذ کرنے غرض کہ سلطنت کے نظم و نسق میں کامل تصرف اور اقتدار

[الف] صرف خاص مبارک، پائیگاؤں، سمستان اور جاگیرات وغیرہ کی آمدنی، اسکے علاوہ ہے۔

اعلیحضرت بندگان عالی کو حاصل ہے مزید براں ذاتی اعزاز کی بنا پر حکومت برطانیہ فخریہ طور پر اعلیحضرت بندگان عالی کو اپنے یار وفادار (Our faithful Ally) اور ہز اگزالٹیڈ ہائینس (His Exalted Highness) کے معزز القاب سے مخاطب کرتی ہے سلطنت حیدرآباد کی موجودہ اہمیت اور فرمانروائے دکن کے مخصوص اعزاز کو دیکھ کر قدرتاً اُن اسباب کے معلوم کرنے کا خیال دل میں پیدا ہوتا ہے کہ جنکی بنا پر حکومت ہند اور سلطنت حیدرآباد کے درمیان اس خاص قسم کے تعلقات قایم ہیں اور ان کی نوعیت دیگر ہندوستانی ریاستوں اور حکومت ہند کے تعلقات سے بالکل جداگانہ ہے" ان پوشیدہ اسباب" کا پتہ چلانے اور "موجودہ تعلقات" کی نوعیت کو سمجھنے کے لئے تاریخ دکن کے کسی دور کے مطالعہ سے اتنی مدد نہیں ملتی جتنی کہ نواب نظام علیخاں بہادر کے عہد حکومت سے۔

آصفجاہ ثانی نواب میر نظام علی خان بہادر کے طویل عہد حکومت (۱۷۶۱ء تا ۱۸۰۳ء) کو جو اہمیت حاصل ہے اس کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ ان کا زمانہ سیاسی معاشی غرض ہر نقطہ نظر سے ایک نہایت ہی پر آشوب اور انقلاب انگیز زمانہ رہا ہے ان کے عہد حکومت میں کئی جنگ اور لڑائیوں کے علاوہ ملک پر بہت سی ناگہانی مصیبتیں نازل ہوئیں حکومت میں طرح طرح کے تغیرات ہوئے لیکن باوجود گوناگوں مصایب کے رعایا کا ہر طبقہ اور بالخصوص اُمرا نہایت خوشحال تھے اور نواب نظام علیخاں بہادر رعایا کے ہر طبقے میں ہر دلعزیز بنے ہوئے تھے۔

بانی سلطنت نواب نظام الملک آصفجاہ اول کے بعد جس شخصیت نے خطرات کو دور کر کے سلطنت کا وجود مستقل کر دیا وہ شخصیت نواب نظام علیخاں بہادر ہی کی تھی گو اس کے لئے جس چیز کی قربانی کرنی پڑی وہ کوئی معمولی شئے نہ تھی بلکہ ایک انمول جوہر یعنی سلطنت کی بیرونی آزادی تھی۔

اِس طرح حکومت ہند اور سلطنت حیدرآباد کے درمیان نہ صرف تعلقات کی ابتدا نواب نظام علیخاں بہادر کے زمانہ سے ہوتی ہے بلکہ حقیقت الامر یہ ہے کہ تعلقات کی موجودہ نوعیت اُسی عہد کی یادگار ہے۔

اِن تمام باتوں کا لحاظ کرتے ہوئے یہ کہنا نامناسب نہ ہوگا کہ نواب نظام علیخاں بہادر کے عہد حکومت سے نہ صرف ایک نئے دور کی بلکہ درحقیقت "موجودہ حیدرآباد" کی ابتدا ہوتی ہے اِس طرح اِس عہد کا مطالعہ نہ صرف دلچسپ اور پُراز معلومات ہے بلکہ نہایت ضروری بھی ہے۔

اِسی لئے مقالہ ہذا میں ایک طرف تو نواب نظام علیخاں بہادر کے عہد حکومت کے عام سیاسی حالات اور واقعات بیان کئے گئے ہیں اور دوسری جانب اِس بات کو دکھلانے کی کوشش کی گئی ہے کہ اِس زمانے کی مشکلات کیا تھیں اور اُن کو حل کرنے کے لئے کیا طریقے اختیار کئے گئے تاکہ اِس سے نواب نظام علیخاں کی شخصیت اور اُن کے عہد حکومت کی اہمیت کا صحیح اندازہ ہو سکے۔

آخر پر مقالہ ہذا کے ماخذ کے متعلق صرف یہ کہدینا کافی ہے کہ نواب نظام علی خاں بہادر کے عہد حکومت کے متعلق کوئی خاص ہمعصر تاریخ

اُردو، فارسی یا انگریزی زبان میں ایسی نہیں ہے کہ جس پر تمام و کمال انحصار کیا جائے۔ بادی النظر میں مسٹر ہالنگبری کی تاریخ نظام علیخاں (A History of Nizam Ali Khan by Hollnigbery ....) کے نام سے یہ مغالطہ ہوتا ہے کہ شاید وہ اِس عہد کی کوئی مستقل اور مستند تصنیف ہو گی لیکن جب اِسی عہد کی ایک اور فارسی تاریخ تزک آصفیہ کو سامنے رکھ کے تاریخ نظام علیخاں کا مطالعہ کیا جائے تو یہ راز فاش ہو جاتا ہے کہ مسٹر ہالنگبری نے نہ صرف تجلی علی شاہ سے خوشہ چینی کی ہے بلکہ بہت بڑی حد تک تزک آصفیہ کے آسان حصوں کا لفظ بہ لفظ ترجمہ پیش کر دیا ہے۔ اِسی لئے مقالہ ہٰذا کی تیاری میں کسی خاص کتاب پر انحصار نہیں کیا گیا بلکہ نہایت احتیاط اور تحقیق کے جدید اُصول کے مطابق انگریزی اور فارسی زبان کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تواریخ، سرکاری مراسلات، اسناد اور عہد نامہ جات وغیرہ سے بطور خاص مدد لی گئی ہے جنکی فہرست مقالہ ہٰذا کے ابتدا میں دی گئی ہے۔ فقط

میر محمود علی
مؤلف مقالہ ہٰذا

سٹی کالج
جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن
۲۰ر اپریل ۱۹۲۶ء

باب اوّل

(دکن کے جغرافی حالات کا اثر تاریخ پر۔ دکن کے تعلقات۔ دہلی سے۔ اورنگ زیب کے بعد سلطنت مغلیہ کی حالت اور قیام سلطنتِ آصفیہ کے اسباب۔ سلطنت آصفیہ کے بانی نواب نظام الملک آصف جاہِ اول کے مختصر حالات زندگی :-)

دکن کے جغرافی حالات کا اثر تاریخ پر سرزمین دکن قدرت کی نیرنگیوں کا ایک دلچسپ مرقع ہے۔ دکن کا موقع محل اس کی طبعی صورت حال اور آب و ہوا اس قسم کی واقع ہوئی ہے کہ جغرافی حالات کی بنا پر "شمالی ہند" اور "دکن" میں خود بخود امتیاز پیدا ہو جاتا ہے۔ اور یہ "براعظم ہند" کے دو جداگانہ ممالک قرار دیئے جا سکتے ہیں جنکو بندھیاچل اور دریائے نربدا ایک دوسرے سے جدا کرتے ہیں۔ بندھیاچل کے جنوب میں زمین بلند ہو کر سطح مرتفع بن گئی ہے۔ جس کی وادیوں میں سے دریائے تاپتی بہتا ہے۔

اس طور پر جزیرہ نمائے دکن شمال میں بندھیاچل اور ست پڑا کے دوہرے پہاڑوں اور نربدا اور تاپتی کے دو دریاؤں سے محدود ہے اور باقی تینوں

جانب سمندر سے گھرا ہوا ہے۔ اِس جزیرہ نما کے مشرقی اور مغربی جانب سلسلہ کوہ چلے گئے ہیں جنکو مشرقی اور مغربی گہاٹ کہتے ہیں۔ جو ساحل کے قریب سے ڈھلتے ہوئے نیلگری کی پہاڑیوں پر ملجاتے ہیں۔ اِس طرح نہ صرف حدود قدرتی ہیں بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ دکن کی حفاظت بطورِ خاص قدرت نے اپنی کفالت میں لے رکھی ہے۔

دکن کی طبعی صورت۔ یہ ہے کہ مشرقی ساحل کورومنڈل کے پہاڑ مغربی ساحل ملیبار کے پہاڑوں سے بلندی میں بہت کم ہیں اِس لئے ملک مغرب سے مشرق کی طرف ڈھلوان ہے جس کا بدیہی ثبوت یہ ہے کہ دکن کے تمام بڑے دریا مغرب سے مشرق کی طرف بہتے ہیں۔

دکن کے جس رقبہ پر سلطنت آصفیہ قایم ہے وہ حصہ پہاڑی واقع ہوا ہے اِس کی بلندی سطح سمندر سے بارہ سو فٹ سے لیکر ڈہائی ہزار فٹ تک ہے۔

ملک کا شمالی و مغربی حصہ عموماً سرسبز و شاداب ہے۔ برخلاف اِس کے جنوب میں زمین کہیں ریتلی ہے اور کہیں پتھریلی۔ علاوہ ازیں دریائے گوداوری اور دریائے مانجرا ملک کو مرہٹواڑی اور تلنگانہ دو حصوں میں منقسم کر دیتے ہیں جہاں کے زرعی خصوصیات ایک دوسرے سے بالکل علٰحدہ ہیں ملک میں یوں تو بیسیوں ندیاں بہتی ہیں اور وسیع میدان بھی موجود ہیں لیکن شمالی ہند کے مقابلہ میں نہ تو یہاں کے دریا (گوداوری۔ مانجرا۔ کرشنا۔ تنگبھدرا وغیرہ) اتنے کارآمد ہیں اور نہ یہ میدان اتنے وسیع اور زرخیز ہیں۔ اِس لئے سطح مرتفع دکن چھوٹے چھوٹے حصوں میں منقسم معلوم ہوتا ہے۔

دکن میں بارش کا دار و مدار جنوب مغربی موسمی ہواؤں پر ہے جو سمندر سے خشکی کی طرف چلتی ہیں اس لحاظ سے یہاں بارش بہت کم اور ناقابل اطمینان ہوتی ہے جس کا اوسط تقریباً تیس انچ ہے بارش کی اسی قلت کی وجہ سے دکن میں ابتدا سے تالابوں اور کنوؤں کا طریقہ جاری ہے۔

تلنگانے میں تالابوں اور مرہٹواڑی میں کنوؤں کی مدد سے ہر قسم کی پیداوار اتنی ہو جاتی ہے کہ یہاں کی آبادی کے لئے کافی ہو کر غلہ دوسرے ممالک کو بھیجا جاتا ہے زرعی اور جنگلاتی پیداوار کے علاوہ دکن کی معدنیاتی پیداوار قدیم زمانے مشہور رہے جس کی بہتات سے ملک کی حقیقی زرخیزی میں اضافہ ہوتا رہا ہے۔

آب و ہوا۔ حیدرآباد دکن کی آب و ہوا بہ حیثیت مجموعی معتدل ہے۔ نہ سخت گرمی ہوتی ہے اور نہ سردی۔ اس لحاظ سے موسم خوشگوار رہتا ہے اور حیدرآباد زمانہ قدیم سے خوبی آب و ہوا اور کثرت آبادی کے لحاظ سے مشہور رہا ہے غرض یہ کہ دکن کا موقع محل، زمین کی زرخیزی، اور آب ہوا کی عمدگی یہ تمام باتیں ہر قسم کی ترقی کے ممد و معاون ہیں یہی وجہ ہے کہ یہاں بڑی بڑی سلطنتیں قائم ہوئیں جنکی گزشتہ عظمت، وسعت، آبادی اور شان شوکت کا اندازہ اس وقت تک بھی حیدرآباد کے آثار قدیمہ کے دیکھنے سے ہو سکتا ہے اسی طرح حیدرآباد ہمیشہ سے علماء، فضلا کا ملجا و ماوی بنا رہا جہاں دنیا کے تمام ممالک سے ہر قوم و ملت کے لوگ کھچے چلے آتے ہیں اور اہل کمال اور ممالک غیر کے باشندوں کی جیسی قدر یہاں ہوتی آئی ہے اور کہیں نہیں ہوتی اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ممالک غیر کے لوگ یہاں کی ملکی آبادی میں ایسے گھل مل گئے ہیں کہ بادی النظر میں

اُن کی پہچان بھی مشکل ہے۔

دکن کے جغرافی حالات کا ایک اور اثر یہاں کی تاریخ پر یہ پڑا کہ قدرتی طور پر ملک کے محفوظ ہونے کی وجہ سے یہاں کے باشندوں کو بہت کم بیرونی حملوں کا خطرہ پیدا ہوا اس لئے یہ لوگ بالعموم ہمیشہ امن چین سے زندگی بسر کرتے رہے۔ جو حملہ آور بھی شمالی ہند پر حملہ کرتا اس کے لئے جنوب کی طرف رُخ کرنے سے مشرق میں بنگال تک پہونچ جانا نسبتاً آسان تھا کیونکہ بنگال پہونچنے کے لئے تو صرف شمالی ہند کے وسیع اور زرخیز میدانوں سے گزرنا پڑتا تھا۔ برخلاف اس کے دکن پہونچنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ اول تو اس لئے کہ دکن شمالی ہند سے قدرتاً بہت دُور اور علٰحدہ واقع ہوا ہے۔ دوم یہ کہ بندھیاچل اور ست پڑا کے پہاڑوں اور دشوار گزار علاقوں کو طے کر کے دکن پر حملہ کرنا دراصل جان جوکھوں میں ڈالنا تھا۔ مختصر یہ کہ قدرتی طور پر ملک کی محافظت منطقہ حارہ میں ملک واقع ہونے سے احتیاجات کے محدود ہونے اور زرخیزی زمین کی وجہ سے بہ آسانی اِن احتیاجات کے پورے ہو جانے کا نتیجہ یہ نکلا کہ نہ صرف اعلیٰ طبقوں میں آب و ہوا کی تاثیر اور دولت کی کثرت نے راحت طلبی اور عیش پرستی پیدا کر دی بلکہ اُن کی تقلید میں عوام بھی اپنی چند، بالکل معمولی ضروریات کو پورا کر کے توکل اور قناعت کی زندگی بسر کرنے کے عادی ہوتے گئے یا بہ الفاظ دیگر اِن میں بھی آرام طلبی اور سہل انگاری پیدا ہوتے گئی۔[1]

یہی وجہ ہے کہ شمالی ہند پر غالب آنے کی کوشش کرنا تو کجا تاریخی زمانہ میں

[1] Hollingbery's History. P. v.-23

اِس بات کی مثالیں تک نہیں ملتیں کہ کبھی دکن گئے لوگوں نے کسی اور ملک کو نقل مقام کیا ہو۔ برخلاف اِس کے شمالی ہند میں جن فاتحوں نے سلطنتیں قایم کیں اُنہوں نے شمالی علاقہ سے فرصت پاکر ہمیشہ دکن کا رُخ کیا اور جب کبھی شمال اور جنوب میں تصادم ہوا تو دکن کے مغلوب ہونے کی ایک خاص وجہ اہل دکن کی فن جنگ سے بدشوقی تھی۔

اِس سے بڑھ کر اہل دکن کی سہل انکاری کیا ہوسکتی تھی کہ حملہ آور دشمنوں کا مقابلہ بذات خود کرنے کے بجائے اُنہوں نے غیر ملکی سپاہیوں کو اپنے پاس ملازم رکھ کے اُن سے میدان جنگ میں اپنی حفاظت کی خاطر کام لینا شروع کیا تھا۔ یہ سب جغرانی حالات کے بالواسطہ نتائج تھے۔

دکن کے تعلقات دہلی سے۔ شمالی ہند اور دکن گو براعظم ہندوستان کے دو علیحدہ ممالک سہی لیکن ابتدا ہی سے شمالی ہند اور جنوبی ہند میں جو تعلقات قایم ہوئے اُن کی ایک خصوصیت یہ رہی کہ جب تک ایک دوسرے پر حملہ نہ کرے وہ ایک دوسرے سے بلا متاثر ہوئے رہ سکتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ شمالی ہند کے سیاسی تغیرات کا دکن پر نہ تو کوئی خاص اثر پڑا اور نہ دکن نے شمالی ہند کے معاملات میں کوئی خاص دلچسپی لی البتہ شمالی ہند میں جو سلطنتیں قایم ہوئیں اُنہون نے شمالی علاقوں سے فرصت پاکر ہمیشہ دکن کا رُخ کیا اور دکن کو اپنے تحت لانے کی کوشش کی چنانچہ جہاں تک تاریخی واقعات کا تعلق ہے، دور ہنود میں اشوک کی سلطنت پہلی سلطنت تھی کہ جس کا تعلق دکن سے بھی تھا[۵۲]۔ اشوک کے بعد بعض راجاؤں نے دکن پر حملے کئے لیکن وہ

[۵۲] دربار آصف حصہ اول صفحہ ۳۰۔

دکن کو اپنے تصرف میں نہیں رکھ سکے اِس طور پر شمالی ہند اور جنوبی ہند کے تعلقات چند روز قایم رہ کر منقطع ہو گئے۔

شمالی ہند کے تعلقات سے قطع نظر خود دکن میں بہت سی لڑائیاں ہوئیں بیسیوں سلطنتیں قایم ہوئیں طرح طرح کے تغیرات اور انقلابات ہوئے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ صحیح طور پر اُن واقعات کا یا دکن کی قدیم تہذیب کا پتہ چلانا نہایت مشکل ہے۔ کیونکہ مسلمان حملہ آوروں کے آنے سے قبل کے حالات ابتک تاریکی میں تھے۔ گو اب نئی تحقیقات کے ذریعہ بہت کچھ انکشافات ہو چکے ہیں۔ لیکن اُن پیچ در پیچ واقعات کا بیان طوالت کا باعث ہے اس لئے دھلی کے مسلمان بادشاہوں کے زمانے کے حالات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

دہلی کے ابتدائی بادشاہوں یعنی قطب الدین ایبک سے لیکر التمش اور بلبن کے وقت تک شمالی ہند کا علاقہ تسخیر ہو چکا تھا لہذا دکن پر پہلا حملہ سنہ ۱۲۹۴ء میں علاء الدین خلجی کا ہوا شمالی ہند کے مسلمانوں کی یہ پہلی ہی یورش جنوبی ہند میں کامیاب ثابت ہوئی اسلامی فتوحات کے اس سلسلہ کی تکمیل بالآخر محمد بن تغلق کے زمانہ سنہ ۱۳۲۵ء میں ہوئی جبکہ تقریباً پورا دکن مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا۔[۵]

اِس طرح مسلمانوں کی ایک صدی کی حکومت کے بعد دکن اور شمالی ہند کے تعلقات دوبارہ قایم ہو گئے محمد بن تغلق کا منشا اِن تعلقات کو مستقل کرنے اور بجائے دہلی کے دیوگری (دولت آباد) کو پایۂ تخت

Our Faithful Ally the Nizam. P. 6

بنانے کا تھا۔[۴]

لیکن بُعد اور ذرائع آمد و رفت کی دقتوں کی وجہ سے یہ تحریک کامیاب نہ ہو سکی۔ محمد بن تغلق کے آخری زمانہ میں سلطنت دہلی میں کمزوری پیدا ہوئی تو دکن کے جغرافی حالات کی بنا پر یہاں چودھویں صدی عیسوی میں دو خود مختار اور حریف سلطنتیں قائم ہو گئیں۔ ایک حصہ میں وجیانگر کی ہندو سلطنت تھی اور اُس کے شمالی حصہ میں مسلمانوں کی بہمنی سلطنت جس کا بانی علاء الدین حسن گنگو بہمنی تھا۔

تقریباً پونے دو سو سال تک بہمنی سلطنت نہایت شان و شوکت کے ساتھ قایم رہی خصوصاً اُس کے شہرہ آفاق وزیر محمود گاوان کے تدبر اور سرپرستی علم و فن کی وجہ سے بہمنی سلطنت کا نام تاریخ عالم میں ہمیشہ کے لیے روشن ہو گیا۔ لیکن اِس نامور وزیر کے خون ناحق کا اثر کہنا چاہیئے کہ اس کے قتل کے بعد ہی فوراً سلطنت کا شیرازہ[۵] بکھر گیا بالآخر یہ عظیم الشان سلطنت پانچ حصوں میں منقسم ہو گئی۔[۶]

(۱) بیجاپور میں عادل شاہی ۱۴۸۹ء تا ۱۶۸۶ء

(۲) برار میں عماد شاہی ۱۴۸۹ء تا ۱۵۷۴ء

---

[۴] سیر المتاخرین جلد سوم صفحہ ۲-۹۔

[۵] Kincaid's History of the Maratha people Vol. III. P. 78

[۶] Hallingbery's History. P. XIII

(۳) احمد نگر میں نظام شاہی ۱۴۸۹ء تا ۱۶۲۶ء

(۴) بیدر میں برید شاہی ۱۴۹۰ء تا ۱۵۲۹ء

(۵) گولکنڈہ میں قطب شاہی ۱۵۱۲ء تا ۱۶۸۵ء

اِن ریاستوں کے متعلق صرف یہ بیان کر دینا کافی ہے کہ مغلوں کے حملہ سے قبل ان کی شائستگی کی تاریخ دلچسپی اور سبق آموزی کے لحاظ سے کسی ملک کی تاریخ سے کم نہیں لیکن اِن کی سیاسی تاریخ زیادہ تر ان کے آپس کے اندرونی جھگڑوں اور بیرونی چڑھائیوں کے واقعات سے پُر ہے۔ لیکن باوجود آپس کے جھگڑوں کے یہاں کی رعایا خوشحال اور یہاں کے بادشاہ علوم و فنون، صنعت و حرفت زراعت اور تجارت کے سرپرست اور رعایا پرور ہوتے تھے۔ جنگ تالیکوٹ ۱۵۶۵ء میں وجیانگر پر کامل فتح حاصل کرنے کے بعد ان اسلامی ریاستوں کا دکن میں کوئی مدمقابل باقی نہیں رہا تھا۔ اس فتح سے گو ان کی دولت اور قوت میں اضافہ ہوا لیکن ایک دشمن کی موجودگی کی وجہ سے جو سیاسی اتحاد ان میں قائم ہوا تھا وجیانگر کی ہندو سلطنت کے خاتمہ کے ساتھ وہ بھی ختم ہو گیا۔

یہ زمانہ شمال میں مغلوں کے عروج کا تھا اکبر نے اپنی فتوحات کے لئے جو اصول قایم کئے تھے اُن کے لحاظ سے وہ کل ملک کو تسخیر کر کے ایک شہنشاہی کے تحت لانا چاہتا تھا اس لئے اُس نے دکن کی طرف توجہ کی جب اُس کو ان ریاستوں کی قوت کا احساس ہوا اور ان کے آپس کے تعلقات اور ان کے تاریخی حالات معلوم ہوئے تو اُس نے اپنے اصول کے مطابق ۱۵۹۱ء میں

Prof. Beni Pershad's History of Jehangir. Page 258. ۵ک

خاندیس، احمدنگر بیجاپور اور گولکنڈہ کے بادشاہوں کے پاس ایلچی بھیجے کہ وہ اُنکی شہنشاہی تسلیم کریں۔ اِس طور پر گو مغلیہ "شہنشاہانِ اعظم" یعنی اکبر کے زمانہ سے اورنگ زیب کے زمانہ تک دکن پر مسلسل مغلوں کی چڑھائی رہی مگر اپنی آزادی کو برقرار رکھنے کے لیئے دکن کی ریاستوں نے مغل شہنشاہوں کا خوب مقابلہ کیا۔ اور غیر معمولی طور پر ایک ایک دکنی کسان مغلوں کی فوج سے لڑتا رہا جب چاند سلطانہ جیسی روشن دماغ بہادر شہزادی نے مغلوں کے خلاف یہاں کے حکمرانوں کو متحد کیا اور بذات خود مردانہ وار مقابلہ کیا اور اُس کے بعد جب ملک عنبر جیسے بہترین سپہ سالار نے اپنی لاثانی قابلیت اور بہادری سے مغلوں پر کامیابی حاصل کرنی شروع کی تو جہانگیر کے زمانہ میں اور اُس کے بعد بھی عرصہ تک دکن کا مسئلہ نہایت دشوار خیال کیئے جانے لگا چنانچہ اکبر کے زمانہ ہی سے مغلوں کا سب سے بڑا جرنیل، سپہ سالار اور مدبّر وہ شخص سمجھا جانے لگا تھا جو دکن میں ناموری اور کامیابی حاصل کرچکا ہو یہی وجہ تھی کہ عہد اکبری میں عبدالرحیم خان خاناں، منعم خاں۔ ابوالفضل اور فیضی جیسے لوگ دکن بھیجے گئے۔ بعد ازاں شہزادہ مراد پھر دانیال اور آخر پر ۱۵۹۹ء میں خود اکبر دکن آگیا تھا جہانگیر کے زمانہ میں جو مغل سپہدار دکن بھیجا جاتا وہ ناکام ثابت ہوتا تھا کیونکہ ملک عنبر کی ٹکر کا کوئی شخص مغلوں کے پاس نہ تھا چنانچہ شہزادہ پرویز۔ خان خاناں، خان جہاں لودی۔ مہابت خاں سب کے سب اس کے مقابلہ میں ناکام ثابت ہوئے اِس لیئے ۱۶۱۶ء میں شہزادہ خرم کو دکن بھیجا لیکن حقیقت یہ ہے کہ

۵۰۔ سیر المتاخرین (جلد سوم) صفحہ ۹۰۱۔

جہانگیر کے آخری زمانہ تک دکن میں ملک عنبر کا اقتدار برابر قائم رہا اور جو طریقہ جنگ اس نے اس وقت دکن میں رائج کیا تھا اس پر مغل کبھی حاوی نہ آ سکے اور اسی طریقہ جنگ کو سیکھ کر بعد ازاں مرہٹوں نے مغلوں کو بیحد پریشان کیا۔

اگرچہ "معاملات دکن" کے سلسلہ میں شہزادہ خرم کی بہت کچھ شہرت ہوئی اور اُس کو شاہ کا خطاب بھی عطا ہوا لیکن دکن میں مغلوں کی کامیابی مستقل نہیں ہوسکتی تھی۔ کیونکہ نہ مغل اپنی جارحانہ حکمت عملی چھوڑ سکتے تھے اور نہ دکن بغیر انتہائی مقابلہ کے اپنی آزادی کو خیرباد کہنے کے لئے تیار تھا اس طرح شاہ جہاں کے زمانہ میں بھی "**مسئلہ دکن کو**" خاص اہمیت حاصل رہی اور حسب سابق جب مغلوں کو یہاں کامیابی کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو شہزادہ اورنگ زیب کو دو مرتبہ دکن کا صوبہ دار بنا کر بھیجا گیا۔ یہاں پر اورنگ زیب نے بہ حیثیت صوبہ دار دکن، سلطنت مغلیہ کے لئے جو خدمات انجام دیں وہ عدیم المثال ہیں اس کو اورنگ زیب کی خوش قسمتی کہیئے کہ اس زمانہ میں دکن کے حکمران بجائے متحد ہو کر مغلوں کا مقابلہ کرنے کے آپس میں لڑ پڑے" اس طور پر شاہی فوجیں رفتہ رفتہ ملک کو فتح کرنے کے قابل ہوتی گئیں [۵] بالآخر ان ریاستوں کو فتح کر کے سنہ ۱۶۸۷ء میں اورنگ زیب نے ان کو باقاعدہ طور پر سلطنت مغلیہ میں شامل کر لیا۔

اورنگ زیب کے بعد سلطنت مغلیہ کی حالت اور قیام سلطنت آصفیہ کے اسباب

اس طرح شمالی ہند اور دکن کے درمیان کشمکش اکبر کے زمانہ سے

۵؎ Imperial Gazetteer of India (Hyderabad State) P. 14.

شروع ہو کر اورنگ زیب کے زمانہ میں ختم ہوئی[۱۱۰] اگرچہ تاریخ عالمگیری کے مصنف ہاشم علی خاں خافی اور سیر المتاخرین کے مصنف کا بیان یہ ہے کہ اورنگ زیب نے محض تعصب، حرص اور شر کی وجہ سے بیجاپور اور گولکنڈہ کی تسخیر کا ارادہ کیا[۱۱۱] اور ابوالحسن کے "تقصیرات" کے متعلق جو فرمان نافذ کیا وہ ایک بہانہ جوئی[۱۱۲] تھی لیکن حقیقت یہ ہے کہ سلطان ابوالحسن تاناشاہ کے عہد میں علانیہ فسق و فجور اور رعایا پر طرح طرح کے مظالم ڈہائے جا رہے تھے۔ سید مظفر کو معطل کر کے مادنّا مختار کل بنا ہوا تھا اور اُس کا بھائی ینکنا پنیکار تھا، اُن کے زمانہ میں اسلامی شان کی جو توہین ہوتی رہی اور رعایا اور بالخصوص شرفا کو جو مصائب اُٹھانے پڑے وہ بیان سے باہر ہیں اِس کے علاوہ بیجاپور اور گولکنڈہ سے مرہٹوں کو برابر ہر قسم کی مددملتی رہتی[۱۱۳] جب باوجود تاکیدی فرامین کے سلطنت کی اصلاح کی طرف کوئی توجہ نہیں کی گئی مزید برآن سنبھاجی کو برابر بیجاپور اور گولکنڈہ سے امداد بھیجی جانے لگی اور پیشکش کا بقایا بھی ادا نہیں کیا گیا تو اورنگ زیب نے غضبناک ہو کر اِن ریاستوں کی تسخیر کا ارادہ کیا[۱۱۴]۔

غرض یہ کہ دکن کی اِن ریاستوں کی تسخیر سے اورنگ زیب کا منشا، دراصل مرہٹوں کی بڑہتی ہوئی قوت کو توڑنے اور گولکنڈہ و بیجاپور کی ریاستوں میں جو بدامنی پھیلی ہوئی تھی اُس کو دور کرنے کا تھا چنانچہ ابوالحسن تاناشاہ کو

---

۱۱۰ Historical and Descriptive sketch Vol. I. P 54.

۱۱۱ سیر المتاخرین جلد اول صفحہ ۴۴۴ و ۳۶۰۔

۱۱۲ تواریخ فرخندہ (قلمی) صفحہ ۱۰۱ تا ۱۰۲۔ ۱۱۳ تواریخ فرخندہ صفحہ ۱۰۶ و ۱۲۴۔

مقید کر کے دولت آباد بھیجدیا گیا اور رستم دل خاں صوبہ دار دکن مقرر ہوا
یہ شخص (۲۳) سال تک حیدرآباد کا صوبہ دار رہا۔ اِس دوران میں شہنشاہ
عالمگیر مرہٹوں کی تسخیر میں مصروف تھے ابھی مرہٹوں پر پوری کامیابی
حاصل نہیں ہوئی تھی کہ ۱۷۰۷ء میں اورنگ زیب کا انتقال ہوگیا[1] اِسکے بعد
تخت نشینی کے لئے اورنگ زیب کے بیٹوں میں خانہ جنگی شروع ہوئی
شہزادہ معظم نے اپنے بھائی اعظم پر فتح پانے کے بعد شہزادہ کام بخش کی طرف
توجہ کی جو بیجاپور میں اپنی بادشاہی کا اعلان کرکے دکن پر قابض ہوگیا تھا
اور یہ لکھا کہ "جو کچھ تم نے کیا وہ مناسب نہ تھا اگر اب بھی تم ہمارے نام کا خطبہ
اور سکہ دکن میں جاری کرکے سال بہ سال مقررہ پیشکش حضور میں بھیجتے رہوگے
تو دکن کے ہر دو صوبوں کی حکومت تمہارے تفویض کی جائے گی" جب
کام بخش نے اِس کا کوئی جواب نہیں دیا بلکہ اُلٹے صوبہ دار دکن رستم دل خاں
اور بہت سے شرفا کو ذلت کے ساتھ قتل کیا تو اس پر شہزادہ معظم
(بہادر شاہ) خود دکن آیا حیدرآباد کے قریب جو لڑائی ہوئی اس میں کام بخش
زخمی ہوکر فوت ہوا اور دکن پر پھر ایک مغلیہ صوبہ دار مقرر کیا گیا[2] بعد ازاں
بہادر شاہ کے انتقال پر اس کا نااہل بیٹا جہاندار شاہ بادشاہ ہوا لیکن
ایک سال کے اندر اس کے مارے جانے پر بالآخر ۱۷۱۲ء میں بہادر شاہ
کا ایک پوتا فرخ سیر بادشاہ ہوا[3] اُدھر دہلی میں یہ واقعات ہو رہے تھے

[1] تواریخ فرخندہ صفحہ ۱۳۱۔۱۳۶، ۱۳۹۔ [2] تواریخ فرخندہ صفحات ۱۴۲ و ۱۵۱۔

[3] Historical and Descriptive sketch Vol. I. P

اور اِدہر دکن میں مغلوں کی طاقت دن بدن زائل ہو رہی تھی اور مرہٹے جو ابتدا میں محض غارتگر تھے طاقتور ہوتے جا رہے تھے اِس طرح اورنگ زیب کی وفات کے بعد دکن میں مرہٹوں کا فساد بڑہتا جا رہا تھا اور کوئی دن لڑائی جھگڑے اور خونریزی سے خالی نہ تھا۔[۱] حقیقت یہ ہے کہ اورنگ زیب کے زمانہ میں سلطنت کو جو انتہائی وسعت ہوئی تھی ابھی اِس میں استحکام پیدا ہونے نہ پایا تھا کہ ایک طرف تو اس کے جانشینوں کے آپس کے ان جھگڑوں نے سلطنت کی بنیاد متزلزل کر دی اور دوسری جانب اِن جانشینوں کی عیش پسندی اور نااہلی کی وجہ سے شاہی رُعب و داب بالکل جاتا رہا یکے بعد دیگرے جو کمزور بادشاہ تخت نشین ہوتے گئے تو اُن کے زمانہ میں مفسدوں کو فتنہ پردازی اور اپنے ذاتی اغراض پورے کرنے کا خاصہ موقع ہاتھ آتا گیا اس کی بدیہی مثال سادات بارہہ میں سے دو بھائی سید حسن علی خاں (سید عبد اللہ) اور سید حسین علیخاں کا عروج ہے فرخ سیر کے زمانہ میں اُن میں سے ایک کو قطب الملک کا اور دوسرے کو امیر الامراء کے خطابات اور وزارت و میر بخشی کے عہدے عطا ہوئے تھے یہ دونو بھائی سلطنت کے ہر جز و کل پر حاوی ہونے کی وجہ سے "بادشاہ گر" کہلاتے ہیں حتیٰ کہ خود بادشاہ اُن سے عاجز آ گیا تھا۔ چنانچہ ۱۱۳۱ھ میں اِن بادشاہ گروں نے فرخ سیر کو قتل کر کے رفیع الدرجات کو بعد ازاں اُس کے بھائی رفیع الدولہ اور آخر محمد شاہ کو بادشاہ بنایا تھا۔ غرض اِس طور پر اورنگ زیب کی وفات

---

[۱] انشائے موسوی خاں جرأت۔ ورق ... (قلمی)

کے بعد جسقدر زمانہ گزرتا گیا سلطنت مغلیہ میں اُسی قدر کمزوری بڑھتی گئی اور عیش پرست و نااہل جانشین یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوتے گئے اِس سلسلہ میں ماثرالامرا کے مصنف کا قول بالکل ٹھیک معلوم ہوتا ہے کہ "اگر "یہ بادشاہ گر" سید اپنے اقتدار کے وقت خود بادشاہ بن جاتے تو سلطنت تیموریوں کے ہاتھ سے نکل کر غالباً عرصہ دراز تک سادات بارہہ کے خاندان میں رہتی[۱] جب محمد شاہ کی نااہلی انتہا کو پہونچ گئی اور نادر شاہ نے دہلی پر حملہ کیا تو اس کا اثر یہ ہوا کہ دہلی کی مرکزیت کا خاتمہ ہو کر صرف اُس کی ظاہری شان رہ گئی۔ اِس کے بعد مختلف صوبہ دار گو برائے نام دہلی کے ماتحت تھے مگر حقیقت میں وہ اپنے اپنے صوبوں میں نہایت طاقتور اور خودمختار ہوتے جارہے تھے۔ چنانچہ سعادت علیخاں اودھ میں، علی وردی خاں بنگال میں اور روہیلے روہلکھنڈ میں تقریباً خودمختار ہوگئے تھے اُس وقت پھر ایک مرتبہ وہی اسباب جمع ہوگئے تھے جنکی بنا پر شمال اور جنوب کے تعلقات کا ہمیشہ سے فیصلہ ہوتا چلا آیا ہے یعنی یہ کہ دکن کا دہلی سے دور واقع ہونا، ذرائع آمد و رفت کی دشواری، دہلی کی مرکزی حکومت کی کمزوری اور دکن کے مخصوص جغرافی اور تاریخی خصوصیات، چونکہ اس وقت کے ان تمام حالات اور خصوصاً جنوبی ہند کی سیاسی ابتری کا مقتضی یہی تھا کہ دکن میں ایک علیٰحدہ خودمختار سلطنت قایم کی جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا اور نواب نظام الملک آصفجاہ اول نے سلطنت آصفیہ کی بنا ڈالی۔

---

[۱] ماثر الامرا، جلد اول صفحہ ۳۳۲۔

سلطنت آصفیہ کے بانی نواب نظام الملک آصفجاہ اوّل کے مختصر حالات زندگی نواب نظام الملک آصفجاہ اول کے خاندانی حالات کے متعلق یہ کہنا کافی ہے کہ اس نامور خاندان کا سلسلہ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ تک اور آگے حضرت ابوبکر صدیقؓ تک پہونچتا ہے[19] چنانچہ مصنف خزانہ عامرہ نے بانیٔ سلطنت کے حالات میں لکھا ہے کہ "جد مادری او سعد اللہ خان وزیر اعظم صاحبقران ثانی شاہجہان است وجد پدری او عابد خاں کہ از اکابر سمرقند و از احفاد شیخ شہاب الدین سہروردی بود[20]" عابد خاں عہد شاہجہان میں ہندوستان آئے تھے اورنگ زیب کے زمانہ میں منصب پنجہزاری اور صدارت کل کے عہدے پر فائز تھے۔ آخر پر گولکنڈہ کے محاصرہ میں گولے کے زخم سے اُن کا انتقال ہوا[21] ان کے فرزند میر شہاب الدین خاں اورنگ زیب کے مشہور اُمرا سے تھے جنکو منصب ہفت ہزاری اور غازی الدین خاں بہادر فیروز جنگ کا خطاب عطا ہوا تھا انہیں کے نامور فرزند نواب نظام الملک آصفجاہ اول تھے[22]

حالات زندگی۔ نواب نظام الملک آصفجاہ اول کا اصلی نام میر قمر الدین تھا جنکی ولادت ۱۰۸۲ھ میں ہوئی تھی اورنگ زیب کے زمانہ میں "چین قلیچ خاں" کے خطاب اور منصب پنجہزاری سے سرفراز ہوئے اور بعد ازاں بیجاپور کی صوبہ داری پر فائز ہوئے شاہ عالم کے زمانہ میں خاں دوران کا

---

[19] رشید الدین خانی صفحہ ۲۳۶۔
[20] خزانہ عامرہ صفحہ ۳۵۔
[21] تاریخ مادہ نامہ (قلمی)، ورق ۱۸۔
[22] خزانہ عامرہ صفحہ ۳۵۔

خطاب اور اودھ کی صوبہ داری ملی تھی لیکن اُمرا کی ناموافقت دربار کا رنگ دیکھکر اُنھوں نے خود استعفیٰ دیدیا اور شاہجہاں آباد میں گوشہ نشین ہو گئے لیکن جہاندار شاہ کے زمانہ میں اصل منصب اور خطاب دوبارہ عطا کیئے گئے - فرخ سیر کی تخت نشینی کے پہلے ہی سال "نظام الملک بہادر فتح جنگ" کا خطاب، ہفت ہزاری منصب اور دکن کی صوبہ داری عطا ہوئی[۳۳]۔ اِس کے بعد اُن کو بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا مثلاً یہ کہ دکن کی صوبہ داری سے ہٹائے جاکر مالوہ کی صوبہ داری پر بھیجدیئے گئے اور دکن کی صوبہ داری سید حسین علیخاں بارہہ کے نام منتقل کر دی گئی جس کی طرف سے مبارزخاں عماد الملک بہ حیثیت نایب بارہ سال تک اِس خدمت کو انجام دیتا رہا اِس اثنا میں نواب نظام الملک مالوہ کی صوبہ داری سے بیزار ہوکر ممالک دکن کے ارادے سے روانہ ہوئے سخت لڑائی کے بعد (جس میں سید دلاور علیخاں اور سید عالم علیخاں نایب صوبہ دار دکن مارے گئے) خاندیس حیدرآباد اور برار وغیرہ کے علاقوں کو فتح کیا[۳۴] بعد ازاں اپنی لاثانی قابلیت اور بہادری سے ان بادشاہ گر سیدوں کا بھی خاتمہ کرا دیا جو نظم و نسق پر حاوی ہوکر سلطنت مغلیہ کے قدیم اُمرا کا استیصال کر رہے تھے محمد شاہ کے زمانہ میں خان دوران کی وفات پر نواب نظام الملک وزارت کل کے لئے طلب کئے گئے اور سابقہ خدمات کے صلہ میں اُن کو "آصفجاہ" کا خطاب بھی عطا ہوا جب دہلی کی آب و ہوا ناموافق آئی تو آپ نے اپنے بڑے فرزند غازی الدین خاں کو نایب مقرر کیا اور خود حیدرآباد آئے ۲۴ محرم ۱۱۳۷ھ بمقام سگر کہیڑ (برار) مبارز خاں

[۳۳] خزانہ عامرہ صفحہ ۴۶۔ [۳۴] تواریخ فرخندہ صفحہ ۱۵۲۔ (قلمی)

سے سخت لڑائی ہوئی جس میں وہ مارا گیا اور اسی سنہ سے نواب آصفجاہ اول کی حکومت تمام دکن میں شروع ہوتی ہے۔[۲۵] اس کے بعد سلطنت دہلی کی کمزوری کی وجہ سے ۱۷۳۹ء میں نادرشاہ نے حملہ کیا تو نواب نظام الملک نے مصالحت کرانے میں بہت کوشش کی جب یہ اطلاع ملی کہ آپ کے فرزند دوم ناصر جنگ نے دکن میں علم بغاوت بلند کیا ہے تو آپ فوراً دکن واپس ہوئے اورنگ آباد کے قریب باپ بیٹوں میں ایک لڑائی ہوئی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ناصر جنگ نے زخمی ہوکر اطاعت قبول کرلی۔ بعد ازاں نواب نظام الملک نے کرناٹک فتح کیا اور وہاں کی حکومت انور الدین خاں کے تفویض کی۔ وجہ یہ تھی کہ اورنگزیب کے زمانہ میں باوجود انتہائی کوششوں کے مرہٹوں کا استیصال نہیں ہوسکا تھا اور اسکے جانشینوں کے زمانے میں ان سے صرف مصالحت ہوگئی تھی لیکن صوبہ دکن کا حقیقی معنوں میں انتظام اس وقت تک نہیں ہوسکتا تھا جبتک کہ مرہٹوں کے خطرہ کو رفع نہ کیا جائے چنانچہ نواب نظام الملک نے مرہٹوں کو سخت سزادی اور ان کی قوت کو کمزور کردیا۔[۲۶]

اس طرح نواب نظام الملک آصفجاہ اول کی زندگی کا مطالعہ کرتے وقت یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ وہ اپنے زمانہ کے بہترین مدبر تھے اپنی صائب رائے شجاعت اور انتظامی قابلیت کی وجہ سے وہ اپنے معاصرین میں ممتاز

۲۵؎ تواریخ فرخندہ صفحہ ۱۵۲۔ ۲۶؎ انشائے موسوی خان جرارت (قلمی) ورق ۹۵

نوٹ متعلق ۲۵؎ اسی بنا پر حسب فرمان اعلیحضرت بندگانعالی ۱۹۲۲ء میں "اعلان خودمختاری سلطنت آصفیہ" کی دوصدوین سالگرہ منائی گئی اور ہر سال اسی یادگار میں ۲۶ رجب کو ایک یوم کی تعطیل عام دیجاتی ہے

حیثیت رکھتے تھے[۲۷]۔ سلطنت دہلی کو بچانے کی انہوں نے انتہائی کوشش کی لیکن جب اُن کو اس میں مایوسی ہوئی تو وہ دکن واپس چلے آئے۔ یہاں پر صوبہ دار دکن ہونے کی وجہ سے وہ ابتداً دہلی کے ماتحت تھے۔ لیکن ۱۷۲۴ء سے اُن کی حیثیت عملاً خود مختار فرمانروائی ہوگئی تھی ۱۷۲۵ء سے ۱۷۳۸ء تک تیرہ سال کے عرصہ میں اُنہوں نے مرہٹوں کے ساتھ دکن میں ایک طرح کا توازن قائم کرکے اپنی سلطنت کو مستحکم اور اقتدار کو وسیع کیا اور ۱۷۴۸ء تک نہایت کامیابی سے حکومت کرکے بمقام برہان پور انتقال کیا[۲۸]۔

باب دوم

دکن میں خانہ جنگی۔ ناصر جنگ اور مظفر جنگ کی لڑائیاں۔ انگریزی اور فرانسیسی کمپنیوں کی ریشہ دوانیاں اور اُنکا اثر جنوبی ہند کی سیاسیات پر۔ نواب صلابت جنگ کے عہد حکومت پر ایک نظر۔ اُن کی علحدگی اور نواب نظام علیخاں آصفجاہ ثانی کی تخت نشینی

۱۷۴۸ء میں آصفجاہ اول کے انتقال کرتے ہی اُن کے دوسرے فرزند ناصر جنگ نے جنکو فوج کی امداد حاصل تھی خزانہ پر قبضہ کرکے اپنی صوبہ داری کا اعلان کردیا۔ اور یہ بات باور کرائی کہ بڑے بھائی غازی الدین اپنے حقوق سے

---

۲۷ ماہ نامہ۔ ورق ۱۹۔ (قلمی) فارسی

۲۸ Our Faithful Ally the Nizam. P. 125

دست بردار ہو گئے ہیں[1]۔ ناصر جنگ کے تخت نشین ہوتے ہی احمد شاہ ابدالی کے حملہ کیوجہ سے دربار دہلی سے اُن کی طلبی ہوئی۔ وہ فوج لیکر ابھی دریائے نربدا تک نہیں پہونچے تھے کہ اُدہر دہلی سے واپسی کا حکم ملا اور اِدہر دکن میں مظفر جنگ کی بغاوت کا حال معلوم ہوا[2]۔ مظفر جنگ، نظام الملک کے چہیتے نواسے تھے جنکا اصلی نام ہدایت محی الدین خاں تھا۔ اونہوں نے یہ بات مشہور کر دی تھی کہ نانا نے مرتے وقت اُن کی جانشینی کی وصیت کی ہے اور خود شہنشاہ نے اُن کو صوبہ دار مقرر کر کے مظفر جنگ کا خطاب عطا کیا ہے[3]۔

یہ حال سنکر کرناٹک کا دعویدار حسین دوست خاں عرف چندا صاحب مظفر جنگ سے آملا۔ یہ شخص دوست علی سابق نواب کرناٹک کے خاندان سے تہا جس کو بیدخل کر کے نظام الملک نے اپنی جانب سے انورالدین کو وہاں کا ناظم مقرر کیا تھا۔ اِس طور پر چندا صاحب اور مظفر جنگ نے اتفاق کر کے پانڈیچری کے فرانسیسی گورنر ڈوپلے کو بھی اپنے ساتھ شریک کرنا چاہا۔ وہ تو اپنی شہرت اور ہندوستان میں اپنی قوم کے مفاد کی خاطر ہر بات کے لئے تیار تھا اِس موقع کو غنیمت جانکر معہ اپنی فوج کے شریک ہو گیا[4]۔

---

[1] Our Faithful Ally the Nizam. P. 47.

[2] خزانہ عامرہ صفحہ (۵۵)

[3] Hollingbery's History Sect. 2. P. 11.

[4] Hollingbery's History Scot. 2. P. 11.

" سیر المتاخرین صفحہ ۸۴۶۔

یہ ایک قاعدہ ہے کہ جب مالکان سپاہ کے پاس اِس قدر سپاہ ہوتی ہے کہ اُن کی حفاظت کے لئے ضرورت سے زائد ہو تو وہ اُس فوج کو دوسروں کی تخریب کے لئے استعمال کرتے ہیں یہاں تو ہندوستانی والیان ملک بہ تمنا یہ چاہتے تھے کہ فرنگستان کے سپاہی ہم سے تنخواہیں لیں اور ہماری خدمت کریں۔ اِس لئے فرانسیسی اور انگریز دونوں قومیں مہمات عظیم میں فوج کشی کرنے میں اپنی منفعت کثیر کی امید کرتی تھیں کہ اُن کی تجارت کو وسعت ہوگی۔ ملک بھی کچھ ہاتھ آئیگا رقیب پر بھی نقصان پہونچانیکا احتمال ہوگا۔[۵]

چنانچہ اِسی اُصول کی بنا پر ڈوپلے، چندا صاحب اور مظفر جنگ کے ساتھ شریک ہوگیا اور اُن کی متحدہ فوجیں انورالدین خاں سے جنگ کے لئے ارکاٹ پہونچیں اور انورالدین خاں کو قتل کرکے اوسکے ملک پر قابض ہوگئیں[۶] کرناٹک میں یہ واقعات ہو رہے تھے کہ نواب ناصر جنگ نہایت عجلت کیساتھ ارکاٹ پہونچے اُن کے مقابلہ کی تاب نہ لاکر مظفر جنگ پانڈیچری بھاگے۔ لیکن گرفتار ہوئے۔

فرانسیسیوں نے اِس دوران میں مظفر جنگ کو جو کچھ مدد دی وہ انگریزوں سے دیکھی نہیں گئی اونہوں نے اپنے مفاد اور گرد و پیش کے حالات پر نظر کرتے ہوئے اسکی سخت ضرورت محسوس کی کہ اِس معاملہ میں خود بھی حصہ لیں لہٰذا ناصر جنگ کا ساتھ دینے کے لئے تیار ہو گئے۔[۷]

---

[۵] دربار آصف صفحہ ۷۲۔ [۶] حدیقۃ العالم۔ جلد دوم صفحہ ۲۰۶۔

[۷] Aitchison's collection of Treaties etc., Vol. V. P. 132

جب مظفر جنگ گرفتار ہو گئے تو ناصر جنگ کو پانڈیچری کی تسخیر کا خیال ہوا جس کے لئے آٹھ ماہ تک مقابلہ ہوتا رہا۔ آخر یہ حادثہ پیش آیا کہ خود ناصر جنگ کی فوج کے ایک افغان سردار رحمت خاں نے جو دشمنوں سے ملگیا تھا۔ موقع پاکر ناصر جنگ کو تہید کر ڈالا[۵۸] اس طور پر ناصر جنگ کو صرف ڈہائی سال حکومت کرنیکا موقع ملا۔ اُن کے بعد افغانوں اور فرانسیسوں نے مظفر جنگ کو جو قید کی حالت میں ہمراہ تھے بادشاہ بنادیا اُنہوں نے دو ماہ سے زیادہ حکومت نہیں کی کہ بقول مصنف خزانہ عامرہ[۵۹] قضا و قدر نے ناصر جنگ کا انتقام لیا۔ پانڈیچری سے حیدرآباد آتے ہوئے فوج کے افغانوں اور خود مظفر جنگ میں جھگڑا ہوا جس میں طرفین سے مظفر جنگ اور رحمت خاں وغیرہ مارے گئے وہ مظفر جنگ کے مارے جانے کے بعد نظام الملک کے تیسرے فرزند صلابت جنگ چونکہ اور بھائیوں کی نسبت عمر میں بڑے تھے اس لئے تخت نشین کئے گئے[۶۰]

صلابت جنگ کی تخت نشینی سے اُس خانہ جنگی کا تو خاتمہ ہو گیا، جو آصفجاہ اول کی وفات پر شروع ہوئی تھی لیکن فرانسیسی اور انگریزی کمپنیوں کی رقابت کا سدباب نہ ہو سکا جو ابتدا میں تجارت اور بعد ازاں ناصر جنگ اور مظفر جنگ کی رفقا کی حیثیت سے اُن میں پیدا ہوئی تھی ایک طرف دکن اور دوسری جانب کرناٹک۔ "غرض ان دونوں تخت نشینی کی لڑائیوں کے الجھاؤں نے تمام جنوبی ہند میں ایک ہلچل مچادی اور وہ پیچیدہ سلسلہ

---

۵۸ سیر المتاخرین صفحہ ۸۸۷۔ ۵۹ خزانہ عامرہ صفحہ ۶۰

۶۰ مآثر الامراء جلد اول صفحہ ۳۶۸۔

جعلسازیوں، سازشوں، خفیہ خونریزیوں، لڑائیوں، محاصروں اور بیقاعدہ لٹ بھیڑوں کا شروع ہوگیا جس کو اینگلو انڈین تاریخ میں جنگ کرناٹک سے موسوم کیا گیا ہے[۵۰]۔

اجمالی طور پر اس جنگ کرناٹک کے واقعات یہ ہیں کہ نواب انورالدینخاں چنداصاحب اور اُس کے رفقا کے ہاتھوں جنگ امبر ۱۷۴۹ئہ میں مارے گئے اس کے بعد سازشیوں نے ملک پر قبضہ کرلیا لیکن نواب ناصر جنگ نے گدی نشینی کے لئے انورالدین خاں کے بیٹے محمد علیخاں کو نامزد کیا۔ اب ایک طرف تو ناصر جنگ محمد علی اور انگریز ہوگئے اور دوسری جانب فرانسیسی، مظفر جنگ اور چنداصاحب کی پشت پناہی کرنے لگے۔ صوبہ داری دکن کے دونوں دعویدار ناصر جنگ اور مظفر جنگ تو یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوکر قتل ہوئے۔ مگر فرانسیسوں کی خوش قسمتی تھی کہ اس اثنا میں بُسّی نے حیدرآباد میں اپنے قدم جمالئے۔ انگریزوں نے اس کے برخلاف اپنی امدادی فوجیں محمد علی کی اعانت کے لئے ترچناپلی بھیجیں جہاں وہ محصور تھا۔ جب یہاں سے کلائیو نے ارکاٹ پہونچکر جو کہ چنداصاحب کا پائے تخت تھا قبضہ کرلیا اور فرانسیسی رسد رسانی کو بند کردیا تو ترچناپلی کا محاصرہ خود بخود اُٹھ گیا۔ بعد ازاں مرہٹوں نے جو محمد علی کے شریک ہوگئے تھے چنداصاحب کو قتل کردیا[۵۱]۔ اس طور پر اُدھر محمد علی کے نواب کرناٹک ہونے سے وہاں پر انگریزی عمل دخل شروع ہوگیا اور اِدھر مظفر جنگ کے مارے جانے پر دکن سے فرانسیسی اثر زائل نہیں ہوا بلکہ صلابت جنگ کے زمانہ میں فرانسیسیوں کا

---

[۵۰] ہندی مملکت برطانیہ صفحہ ۹۶۔
[۵۱] ہندی مملکت برطانیہ صفحہ ۹۹۔

رسوخ اور بڑھتا گیا غرض ہر دو کمپنیون کی ریشہ دوانیون کا نتیجہ یہ ہوا کہ جنوبی ہند کے سیاسی معاملات زیادہ پیچیدہ ہوتے گئے اور خود ریاست ہائے کرناٹک اور دکن اس قدر کمزور ہو گئے کہ اُن کو آخر اپنی حفاظت کے لئے انہیں کمپنیون کے دست نگر ہونا پڑا۔

نواب صلابت جنگ کے عہد حکومت پر ایک نظر۔ دکن میں فرانسیسی اثر جو ابتداً مظفر جنگ کے زمانہ سے شروع ہوا تھا وہ بتدریج بُسّے کی کوششون سے بڑھتا گیا مظفر جنگ کے قتل کے بعد ملازمین کی حیثیت سے فرانسیسی صلابت جنگ کے ساتھ ہو گئے۔ اور سکاکول، راجمندری اور دیگر مواضعات بطور جاگیر حاصل کئے اُن کے عروج کا اندازہ ہمعصر مورخ کے الفاظ میں یہ ہے کہ "طرفہ اقتداری بہم رسانند کہ در دکن حکم حکم ایشان شد"[۱۳۳]

صورت حال یہ تھی کہ یہان پر بُسّی نے ایک معقول فوج اپنی سرکردگی میں مرتب کر لی تھی اور خود کو اس قدر طاقتور بنا لیا تھا کہ حکومت کا اِس پر کوئی دباؤ نہ تھا۔ اگرچہ اِس کے خلاف کارروائیاں شروع ہو گئی تہیں۔ لیکن اُس نے بڑے استقلال اور کامیابی کے ساتھ نواب صلابت جنگ پر اثر ڈال کر فوجی اخراجات کے لئے چار زرخیز اضلاع حاصل کئے تھے جو شمالی سرکار کے نام سے موسوم ہیں اور حقیقت تو یہ ہے کہ صلابت جنگ کو بھی فرانسیسون کی اِسس فوج سے بہت کچھ مدد ملتی تھی۔[۱۳۴]

مگر دکن میں فرانسیسون کا ایکدم عروج حاصل کرکے طاقتور ہو جانا اور شمالی

[۱۳۳] خزانہ عامرہ صفحہ ۴۰۔

[۱۳۴] Our Faithful Ally the Nizam. P. 428

سرکارون پر قبضہ پایا جس سے ساحل سمندر کے بہت بڑے حصہ پر اُن کی حکومت قائم ہوگئی تھی، یہ اسباب وہ تھے جنکی وجہ سے انگریزون کو بہت جلد حسد پیدا ہوگیا۔ اب اُن کو اِس بات کی فکر پیدا ہوئی کہ کسی حیلے بہانے سے خود اُن اضلاع پر قبضہ کرلین چنانچہ ۱۷۵۶ء میں جب فرانسیسون اور انگریزونکے درمیان یورپ میں جنگ چھڑ گئی تو انگریزون کی مراد برآئی۔ اُن کی ایک فوج نے کرنل فورڈ کی ماتحتی میں حملہ کرکے اور فرانسیسون کو اضلاع سکاکول اور راجمندری سے ہٹا کر اُن پر قبضہ کرلیا[۱۵] اس سے مطّلع ہوکر خود صلابت جنگ مقابلہ کے لئے حیدرآباد سے بڑہے تھے لیکن پھر مصلحت سمجھکر اونہوں نے انگریزی کمانڈر سے عہد وپیمان کرلیا[۱۶] اس طرح پہلی مرتبہ حیدرآباد اور انگریزوں کے تعلقات صلابت جنگ کے زمانہ سے شروع ہوتے ہیں اور اُنہون نے ہی ۱۷۵۹ء میں مچھلی پٹنم اور دیگر اضلاع بطور انعام انگریزون کو عطا کرکے فرانسیسون کو خارج البلد کردینے کا وعدہ کیا[۱۷]

انگریزون سے تعلقات قائم ہونے سے پیشتر کا ایک واقعہ یہ ہے کہ ۱۷۵۲ء میں امیرالامرا فیروز جنگ نواب غازی الدین خان (جو کہ صلابت جنگ کے بڑے بھائی اور نظام الملک آصفجاہ اول کے بڑے بیٹے تھے) احمد شاہ کے دربار سے دکن کی صوبہ داری کا خلعت حاصل کرکے دکن آگئے۔ اور مرہٹوں نے

---

[۱۵] سیر المتاخرین جلد سوم صفحہ ۹۰۳۔

[۱۶] Brigg's the Nizam....and relations with the Br. Govt. P 65

[۱۷] Aitchison's collection of Treaties etc., Vol. V. P. 132

امداد دینے کا وعدہ کیا جس کے معاوضہ میں ملک خاندیس اور حیدرآباد کے اطراف کے بعض علاقہ اُن کے حوالے کر دیئے۔ اِس طور پر اُدھر اتنا بڑا ملک مفت میں مرہٹون کے ہاتھ چلا گیا اور اِدھر غازی الدین خاں ابھی دکن کی صوبہ داری کیلئے صلابت جنگ سے لڑنے بھی نہ پائے تھے کہ بمقام اورنگ آباد ہیضہ سے انتقال کیا۔ یا بعض کا خیال ہے کہ صلابت جنگ کے لوگوں نے اُنہیں زہر دیدیا[۱] اِس کے بعد فرمان شاہی کے مطابق صلابت جنگ کو آصف الدولہ بعد ازاں امیر الممالک کے خطابات عطا ہوئے۔

خلاصہ یہ کہ صلابت جنگ کا عہد حکومت تاریخ دکن میں ایک کمزور زمانہ ہے جس کی وجہ سے ایک طرف تو فرانسیسی دربار دکن میں نہایت طاقتور ہوتے گئے اور دوسری جانب انگریزون سے تعلقات قائم کرنے پڑے۔ سب سے بڑھکر یہ کہ حیدرآباد کے بدخواہ مرہٹون کو بھی نہایت اچھا موقع ملگیا۔ اُنہوں نے حیدرآباد کی کمزوری سے فائدہ اُٹھا کر پیہم حملے شروع کئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلطنت اور کمزور ہو گئی۔

اِس زمانہ میں صرف ایک شخص ایسا نظر آتا ہے جو ایک طرف تو سینہ سپر ہو کر خود میدان جنگ میں دشمنون کا مقابلہ کرتا ہے۔ اور دوسری جانب اپنی دانائی اور تدبیر سے فرانسیسون اور دربار کے سازشیون کا قلع قمع کرنے کے لئے ہر وقت مستعد رہتا ہے یہ شخصیت نظام الملک کے چوتھے فرزند نواب نظام علیخان کی ہے۔ جنھون نے اپنے بھائی صلابت جنگ کے زمانہ میں

---

[۱] حدیقۃ العالم جلد دوم صفحہ ۲۳۷، سیر المتاخرین جلد سوم صفحہ ۸۹۔

کہ جن میں نہ ذاتی بہادری تھی اور نہ تدبر تھا[۱۹] بہت سے کارنمایاں انجام دیئے ورنہ صلابت جنگ کے عہد حکومت کے متعلق مآثر الامرا کے مصنف کا قول بالکل صحیح معلوم ہوتا ہے کہ "مدت حکومتش منوط برائے کارپردازان بود"[۲۰]۔

باب سوم

نواب نظام علیخاں کی ابتدائی زندگی کے حالات

نواب میر نظام علیخاں نواب نظام الملک آصفجاہ کے چوتھے فرزند تھے اُن کی تاریخ پیدائش یکم ماہ شوال ۱۱۴۶ھ م ۱۷۳۴ء ہے اُن کی تعلیم و تربیت خود اُن کے والد بزرگوار آصفجاہ اول کے ہاتھوں ہوئی تھی ابتدا ہی سے بہادری اور اقبال مندی کے آثار چہرہ سے نمایاں تھے چنانچہ وہ ایک مرتبہ بچپن ہی میں شیخ علیخاں بہادر نامی ایک سپہ سالار کی اتالیقی میں مرہٹوں کے مقابلہ کے لئے بھیجے گئے تھے[۱]۔

جب اُن کی عمر پندرہ سال کی ہوئی اُس وقت اُن کے والد یعنی نظام الملک اول کا انتقال ہوگیا۔ اِس کے بعد وہ اسیطرح اُس زمانہ کے دستور کے مطابق فنونِ سپہ گری، تیر افگنی، برق اندازی وغیرہ سیکھتے رہے۔ نظام الملک آصفجاہ اول

---

[۱۹] "Salabut Jung, a prince deficient both in personal courage and sagacity." Hollingbery P. 63

[۲۰] مآثر الامرا جلد اول صفحہ ۳۶۴۔ [۱] حدیقۃ العالم جلد دوم صفحہ ۲۷۔

کے انتقال پر جو خانہ جنگی ہوئی اُس میں اُنہوں نے یا تو اپنی کمسنی کی وجہ سے
کوئی حصہ نہیں لیا یا غالباً دوسرے بھائیوں کی طرح مقید تھے۔ اس کے بعد ناصر جنگ
کے شہید ہونے پر مظفر جنگ صوبہ دار ہوئے۔ مظفر جنگ اور اُن کے افغان
سرداروں میں جو لڑائی ہوئی اور جس میں مظفر جنگ مارے گئے۔ اِس لڑائی
میں میر نظام علیخاں نے بھی حصہ لیا گو اُس وقت بھی اُن کی عمر زیادہ نہ تھی
رخسار پر تیر کا ایک زخم لگا ہوا تھا۔ لیکن اُس کے باوجود بہادری کے جوہر
دکھائے۔ اور ناصر جنگ و مظفر جنگ کے قاتل ہمت بہادر خاں کو زیر کیا۔
جس کو فوجیوں نے ہلاک کر دیا۔[۵۲]

مظفر جنگ کے مارے جانے کے بعد ارکین سلطنت نے محض رواج
کے مطابق صلابت جنگ کو نواب نظام علیخاں پر اسی لئے ترجیح دی کہ وہ
عمر میں اُن سے بڑے تھے[۵۳] ورنہ بہادری۔ ذاتی قابلیت اور تدبّر کے لحاظ سے
نظام علیخاں اور صلابت جنگ میں کوئی مناسبت ہی نہیں تھی بقول مسٹر
ہالنگبری "شاہزادہ صلابت جنگ میں ذاتی ہمت اور تدبّر دونوں باتوں کی
کمی تھی"[۵۴] اِسی لئے صلابت جنگ کا زمانہ شروع سے آخر تک ایک انحطاط
اور کمزوری کا زمانہ ہے۔ اِس زمانہ میں سلطنت دکن کی یہ حالت رہی کہ
نہ تو بیرونی دشمنوں کے مقابلہ کی اُس میں طاقت تھی اور نہ اندرونِ ملک
انتظام قائم رکھنے کے لئے رعب وداب اور اثر تھا مرہٹوں کے حملوں اور

---

۵۲ تزک آصفیہ صفحہ ۵۸۔ ۵۳ مآثر الامراء جلد اول صفحہ ۳۶۸۔

۵۴ Hollingbery's History. P. 55

فتوحات سے ایک طرف تو ملک کا رقبہ دن بدن کم ہوتا جاتا تھا۔ دوسری جانب فرانسیسی دوستی کا دم بھر کے اتنے طاقتور ہوتے جاتے تھے کہ اُن سے خطرہ پیدا ہو چلا تھا۔ چنانچہ ۱۷۵۶ء میں جب صلابت جنگ نے اپنے وزیر شاہ نواز خاں کے مشورہ سے مصلحتاً فرانسیسی سپہ سالار بُسّی کو خدمت سے علٰحدہ کر دیا تو وہ خاص پائے تخت یعنی شہر حیدرآباد پہونچ گیا۔ اور چار مینار اور اُس کے اطراف واکناف پر قابض ہو گیا۔[۵]

انہیں واقعات نے میر نظام علیخاں کو مجبور کیا اور وہ ۱۷۵۶ء کے بعد سے اپنے بھائی کی پشت پناہی کے لئے کھڑے ہو گئے۔ لیکن صلابت جنگ کا طرز عمل یہ رہا کہ مفسدین کے بہکانے سے اکثر اوقات اپنے اس ہمدرد بھائی کی بربادی پر آمادہ ہو جاتے جس کی وجہ سے مفسدین کو اپنی مقصد برآری کا نہایت اچھا موقع ملجاتا تھا۔ لیکن نظام علیخاں کی شخصیت اِن تمام دشواریوں پر غالب آتی اور وہ مردانہ وار اپنا کام کئے جاتے تھے۔ نظام علیخاں کی اوائل عمر کی کامیابیوں کو دیکھکر اُن کے ہمعصر مورخ نے شاعرانہ الفاظ میں اُن کی یوں تعریف کی ہے کہ " ہر مہم کہ بنام نامیش نامزد میگردید، بے رنج و تردد بوجہ احسن سرانجام می یافت و ہر مقاصد و مآرب کہ از اسم ہمایون تفاعل میگرفتند، بے کوشش و محنت بجادۂ مرادمی شتافت[۶]۔" غرض اس طور سے صلابت جنگ کے عہد حکومت میں نظام علیخاں کو کارہائے نمایاں دکھا کر عروج حاصل کرنیکا

---

۵ Historical and Descriptive sketch Vol. I. P. 83

۶ تزک آصفیہ مصنفہ تجلی علیشاہ صفحہ ۳۶۔

موقع ملا۔ مزید بران صلابت جنگ کے وزیر صمصام الدولہ شاہ نواز خاں جو نظام الملک اول کے بھی وزیر رہ چکے تھے اور جو عالمگیری کی رائے میں "اپنے ملک اور اپنے زمانہ کے بہترین مدبر تھے"[۷] وہ بھی صلابت جنگ کی کمزوریوں اور فرانسیسون کی ریشہ دوانیون سے واقف ہو کر نظام علیخاں کی تائید میں رہتے تھے۔

۱۷۵۶ء میں پہلی مرتبہ نظام علیخاں کو سیاسی میدان میں اس وقت آنا پڑا جبکہ فرانسیسون کی خطرناک طاقت کو کم کرنے کے لئے خفیہ طور پر کوشش کیگئی جو ناکام ثابت ہوئی[۸]

لیکن اس سے اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ بچپن میں اپنے والد نظام الملک آصفجاہ کے زمانہ میں ایلچپور (برار) کی صوبہ داری جو اُن کے نام لکھی گئی تھی اوپر وہ اس وقت فائز کئے گئے[۹]

اسی طرح برار کی صوبہ داری اور نظام الدولہ کا خطاب حاصل کر کے مع فوج اور مصاحبین کے آپ برار تشریف لیگئے[۱۰]۔ برار پہونچنے کے بعد مرہٹون نے حملہ کیا۔ حالانکہ نظام علیخاں کی فوج تعداد میں کم تھی۔ لیکن آپ نے نہایت بہادری سے مقابلہ کیا۔ انجام کار صلح ہو گئی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بلا شرکت غیرے برار کے پورے صوبہ پر آپ کا قبضہ تسلیم کر لیا گیا[۱۱]۔ ۱۷۵۷ء کا واقعہ یہ ہے کہ صلابت جنگ سے

---

[۷] "The most profound politician of his age and country." Hollingbery P.

[۸] Ibid P. 3

[۹] تزک آصفیہ صفحہ ۶۷۔

[۱۰] رشید الدین خانی صفحہ ۲۵۸۔

[۱۱] Hollingbery's History. P. 3

دل برداشتہ ہو کر وکیل السلطنت صمصام الدولہ نے اُدہر دولت آباد کے قلعہ میں اقامت اختیار کی۔ اور اِدہر سلطنت کے لئے مرہٹون کا خطرہ پیش ہوا، تو اُس وقت صلابت جنگ نے نواب نظام علیخاں کی امداد پر بہروسہ کر کے اُنہیں برار سے طلب کیا۔ حالانکہ نواب نظام علیخاں کو اِس موقع پر مرہٹون کے سردار بالاجی راؤ اور نارائن راؤ نے صلابت جنگ کو امداد دینے سے منع کیا لیکن اِس خیال سے کہ کہیں سلطنت کو نقصان نہ پہونچے آپ فوراً حیدرآباد آگئے۔ جب آپ کے آنے کی خبر صمصام الدولہ کو ہوئی تو وہ بھی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ابھی جنگ کی تیاری ہو رہی تھی کہ نواب نظام علیخاں کے بدخواہوں نے صلابت جنگ کو یہ سمجھایا کہ یہ جنگ آپ کو بطور خود کرنی چاہیئے۔ کیونکہ اگر نظام علیخاں کی امداد سے فتح حاصل ہوگی تو وہ ریاست پر حاوی ہو جائینگے اور آپ کو ریاست میں اختیار بالکل نہیں رہیگا۔[۱۲]

جب اِس کی اطلاع نواب نظام علیخاں کو ملی تو آپ نے بعض آدمیوں کو بہیجکر بدین الفاظ معروضہ پیش کیا۔ "کہ بگفتۂ حاسداں سخن سازگمانِ دیگر بخاطرِ اشرف راہ نباید داد، وایں خیرخواہ را بجز بندوبست ریاستِ حضرت امرے دیگر منظور نیست"[۱۳] صلابت جنگ اِس قسم کا اظہار اخلاص سنکر مطمئن اور بہت خوش ہوئے اِس کے صلہ میں نواب نظام علیخاں کو ولیعہدی کا منصب اور نظام الملک آصفجاہ ثانی کا خطاب عطا کر کے حکومت کے تمام کام اُن کے سپرد کر دیئے۔[۱۴]

۱۲؎ رشید الدین خانی صفحہ ۲۶۰۔ ۱۳؎ حدیقۃ العالم جلد دوم صفحہ ۲۴۷۔

۱۴؎ رشید الدین خانی صفحہ ۲۶۰۔

اِس عہدہ جلیلہ پر فائز ہوکر نواب نظام علیخاں مرہٹوں کے مقابلہ کیلئے روانہ ہوئے چونکہ کمک کی فوجون کو مرہٹون نے بمقام سندکہیڑ محصور کرلیا تھا. اِس لئے فوجون کو نجات دلاکر آپ خود پونا کیطرف روانہ ہوئے اور وہاں پر مرہٹوں کو سخت شکست دی[۱۰۵]۔ اُس کے بعد نظام علیخاں باضابطہ مدارالمہام کل اور دیوان صدر مقرر ہوئے[۱۰۶] غرض اِس طور پر صمصام الدولہ نے فرانسیسی اقتدار کو گھٹانے کیلئے نواب نظام علیخاں کو بڑہانے کی جو پالیسی اختیار کی تھی وہ کامیاب ثابت ہوتی گئی

نواب نظام علیخاں کا عروج فرانسیسوں سے دیکھا نہ گیا۔ اِس لئے بُسی اور اُس کے ایجنٹ حیدر جنگ کو یہ فکر ہوئی کہ نظام علیخاں کی طاقت کم کیجائے اُس کی یہ شکل نکالی گئی کہ حیدر جنگ نے صلابت جنگ کو ترغیب دی۔ انہون نے "وکیل مطالق" کی مہر آصفجاہ ثانی سے لیکر دوبارہ بسالت جنگ کے حوالہ کی اور حکومت کا کام خود اپنے ہاتھ میں رکھا[۱۰۷] اُسی فتنہ پرداز حیدر جنگ نے جب یہ دیکھا کہ آصفجاہ ثانی کے ہمراہ معقول تعداد میں فوج بھی ہے اور جب تک کے اُس فوج کو منتشر نہ کیا جائے صلابت جنگ کو اپنے قبضہ میں لانا ممکن نہیں ہے تو اُس نے یہ چال چلی کہ آصفجاہ ثانی کے سپاہیوں کو تنخواہ کی بابتہ بتیس لاکھ روپیہ دیکر اُن کو موسیو بسی کی ملازمت میں منسلک کرلیا۔ اِس طرح آصفجاہ ثانی بے فوج کے رہگئے[۱۰۸]

[۱۰۵] Hollingbery's History. P. 10

[۱۰۶] خورشید جاہی صفحہ ۲۱۴۔

[۱۰۷] حدیقۃ العالم جلد دوم صفحہ ۲۴۴

[۱۰۸] رشید الدین خانی صفحہ ۲۶۰۔

حیدر جنگ اور بُسی نے اُس کے بعد آصفجاہ ثانی کے موئید صمصام الدولہ کو ایک موقع پر دھوکہ دیکر قید کرلیا۔ یہ دونوں اب اِس بات کی فکر کرنے لگے کہ آصفجاہ ثانی کو حیدرآباد کی صوبہ داری کے بہانہ سے بھیجکر اُن کو بھی قلعہ گولکنڈہ میں نظر بند کرادیا جائے۔ تاکہ میدان صاف ہوجائے۔ چنانچہ بُسی اور حیدر جنگ کے ایمار سے صلابت جنگ نے آصفجاہ ثانی کے نام ایلچپور کی صوبہ داری کے عوض حیدرآباد کی صوبہ داری اور بیس[۲۰] ہزار روپیہ ماہوار مقرر کی[۱۹]۔

فتنہ پردازوں کی تحریک سے جو واقعات پیش آرہے تھے اُن کو دیکھکر نواب نظام علیخاں بہادر کو سخت ملال ہوتا تھا لیکن خاموش تھے۔ ایک رات اپنے بعض بہی خواہوں کو خلوت میں بلاکر اثنا گفتگو میں فرمایا کہ "این فتنہ کہ در انہدام بنیانِ ریاست برپا گشتہ است بکدام تدبیر از پا در آید و این درِ حوادث بکدام دست چارہ جوئی بستہ گردد" خیر خواہوں نے عرض کیا کہ "در رائے ما دولت خواہان این امر دلالت کند کہ بدون کشتن حیدر جنگ برق تفرقہ در خرمن جمعیت فرنگی نمی افتد و زمام اختیار و دستِ اقتدار نمی آید[۲۰]" اِس مشورہ کے بعد نواب آصفجاہ ثانی کو خیال پیدا ہوا کہ کسیطرح حیدر جنگ کا خاتمہ کیا جائے۔ کیونکہ اُس نے اُن کو بے فوج کر دیا تھا۔ اور صمصام الدولہ کیساتھ نقض عہد کرکے اُن کو قید کرا دیا تھا[۲۱]۔ چنانچہ ۱۱۷۱ھ میں اورنگ آباد سے روانہ ہونے کے ایک روز قبل شام کے وقت آصفجاہ ثانی نے بشیر سے اپنے

---

[۱۹] حدیقۃ العالم جلد دوم صفحہ ۲۰۷۔ [۲۰] تزک آصفیہ صفحہ ۸۰۔

[۲۱] مآثر الامرا جلد اول صفحہ ۳۲۲۔

مُشیروں کی مدد سے تمام انتظام کر کے حیدر جنگ کو کہلا بھیجا "کہ تم سے بالمشافہ کچھ ضروری باتین کرنی ہیں اور کل حیدرآباد کو روانگی ہے لہذا جلد آنا" حیدر جنگ جو کہ حکومت اور طاقت کے نشہ میں چور تھا، چند آدمیون کو ساتھ لیکر دوڑا ہوا آیا جب اِس طرح غفلت سے خیمہ میں داخل ہوا تو محفل خاص کے لوگون نے اُس کا کام تمام کر دیا اور نواب آصفجاہ ثانی گھوڑے پر سوار ہو کر درمیان لشکر سے نکل گئے۔[۲۲۲]

یہ خبر سُنکر حیدر جنگ کے سپاہیوں نے گولی چلائی لیکن آصفجاہ ثانی بال بال بچکر نکل گئے جب موسیو بُسی کو حیدر جنگ کے مارے جانیکی اطلاع ملی تو اُس کے حواس جاتے رہے صلابت جنگ بھی اِس حادثہ سے واقف ہو کر بُسی کے پاس آگئے۔ بُسی نے صمصام الدولہ وغیرہ کو جو قلعہ میں مقید تھے اُسی وقت قتل کرادیا[۲۲۳] اُس کے بعد آصفجاہ ثانی نے برار جانیکا ارادہ کیا تھا کہ بعض حاسدوں کے بہکانے سے صلابت جنگ نے حیدرآباد پہونچکر بالاجی راؤ اور جانوجی بہونسلہ کو یہ لکھ بھیجا کہ "جہانتک ممکن ہو تم لوگ نظام علیخاں کو برار میں داخل نہ ہونے دو"۔ لیکن نواب آصفجاہ ثانی نے اس کے باوجود باسم پر چھاؤنی ڈال ہی دی[۲۲۴]

باسم سے برہانپور ہوتے ہوئے ناگپور پہونچے۔ بہونسلہ سے جو مقابلہ ہوا اُس میں بہونسلہ کو شکست ہوئی اور صلح ہوگئی اُس کے بعد آپنے حیدرآباد واپس آکر صلابت جنگ کی مصاحبت میں رہنا مناسب سمجھا۔ حیدرآباد

---

۲۲۲ تزک آصفیہ صفحہ ۹۵۔ مآثر الامرا جلد اول صفحہ ۲۰۳۔ تاریخ ماہ نامہ قلمی فارسی ورق ۴۱۔

۲۲۳ رشید الدین خانی صفحہ ۲۶۲۔ ۲۲۴ تزک آصفیہ صفحہ ۹۲۔

آرہے تھے۔ کہ راستہ میں نرمل کے حاکم نے روکنا چاہا لیکن آخر کار خود بخود قلعہ حوالہ کردیا[۲۵]۔

اُدھر وہ واقعات ہورہے تھے اور اِدھر ۱۷۵۹ء میں نواب صلابت جنگ حیدرآباد سے بہونگیر ہوتے ہوئے مچھلی بندر کی طرف روانہ ہوئے تھے کہ نواب نظام علیخاں کے حیدرآباد پہونچنے کی اطلاع ملی اِس خبر کے سنتے ہی صلابت جنگ کے فتنہ پرداز ساتھیوں کا رنگ فق ہوگیا اور صلابت جنگ اپنی فوج لیکر حیدرآباد کی طرف واپس ہوئے۔ جب صلابت جنگ کی واپسی کا حال معلوم ہوا تو نواب نظام علیخاں اپنے بھائی کے استقبال کے لئے شہر سے باہر آئے صلابت جنگ نے یہ دیکھکر کہ بغیر نظام علیخاں کی مدد کے سلطنت کا کام عمدگی سے نہیں چل سکتا حکومت کا تمام کام ۱۷۶۰ء میں دوبارہ اپنے بھائی کے تفویض کردیا۔ اِس تبدیلی کا اثر یہ ہوا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں حکومت کا انتظام نہایت باقاعدہ ہوگیا۔ اب کسی مخالف کی ہمت نہیں ہوتی تھی کہ سر اٹھا سکے[۲۶]

انتظام کی عمدگی سے اتنا استحکام اور اتنی قوت پیدا ہوگئی کہ سلطنت کے بدخواہ اوس پر حسد کرنے لگے خصوصاً مرہٹوں نے خصومتی کارروائیاں شروع کردیں[۲۷] سازش کرکے مرہٹوں نے احمدنگر[۲۸]، بہادر گڈھ اور دیگر مقامات پر قبضہ

---

[۲۵] Hollingbery's History P. 19

[۲۶] تزک آصفیہ صفحہ ۱۰۰۔

[۲۷] Ibid P. 21

[۲۸] Historical and Descriptive sketch Vol. I. P. - -

کرلیا۔ اور ابراہیم گاردی کو جو نظام علیخاں سے کسیقدر ناراض تھا، خوشامد کرکے اپنے ساتھ کرلیا۔ اُسی زمانہ میں سُریا راؤ زمیندار نرل باغی ہوگیا تھا۔ نظام علیخاں نے سہراب جنگ کو بھیجکر اُسے دوبارہ خیرخواہِ سلطنت بنالیا اِس کے بعد صلابت جنگ کو ساتھ لیکر بالاجی کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوئے اور اُدگیر پہونچے چونکہ بہت سے سرکاری سپاہی اور منصدار بمقام دہارور ٹھیرے ہوئے تھے۔ لہذا اُدگیر سے قلعہ اُوسہ روانہ ہوئے بالاجی نے اپنے بھائی سداشیو بہاؤ کی تحریک سے جوکہ مختار کل تھا صلح کا پیام اس شرط پر کہلا بھیجا کہ ممالک محروسہ کے بعض علاقے مرہٹوں کے حوالہ کئے جائیں نواب نظام علیخاں نے اس کا جواب یہ دیا کہ "ما بہ استخلاص قلاع خود کہ بہ غصب گرفتارند آمدہ ایم نہ برائے مدارات جاگیر دیگر" غرض اُوسہ سے دہارور اس لئے روانہ ہوئے کہ فوجوں کو ایک جگہ کرکے خاص پونا پر حملہ کریں۔

راستہ میں یہ واقعہ پیش آیا کہ موقع پاکر مرہٹوں نے ساقہ کی فوج کو سخت شکست دی اور ۱۷۶۰ء میں انھوں نے احمدنگر کے قلعدار کو رشوت دیکر قلعہ پر قبضہ کرلیا[۱] اگرچہ صلابت جنگ اور نواب نظام علیخاں اسوقت مرہٹوں سے جنگ کیلئے تیار نہ تھے لیکن حمیت کی خاطر بیدر اور پھر اُدگیر کی طرف بڑھے۔ پیشوا اور دیگر مرہٹہ سردار بہت بڑی فوجین لیکر آموجود ہوئے۔ اور دکن کی فوج ایکطرح پر محصور ہوگئی نتیجہ نواب نظام علیخاں نے بہت کچھ سمجھایا کہ اندیشہ کی کوئی بات نہیں قلعہ دہارور بہت قریب ہے۔

---

[۱] Historical and Descriptive sketch Vol. I. P. 84

بنیاد Brigg's the Nizam....and relations with the Br. Govt P 62

اِس وقت صلح کرنا مصلحت کے خلاف ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ صلابت جنگ مرعوب ہو چکے تھے اِس لئے اُنہوں نے صلح کی درخواست کی۔ راؤ بالاجی نے موقع کو غنیمت سمجھکر نہایت سخت شرائط صلح پیش کیئے۔

عہدنامہ اُدگیر ۱۷۶۰ء میں مجبوراً عہدنامہ اُدگیر پر دستخط کرنے پڑے جس کے بموجب قلعہ دولت آباد قلعہ بیجاپور، اسیر گڈھ، ہرسول، ستارہ، احمدنگر، صوبہ اورنگ آباد کے بہت سے علاقے، صوبہ برہانپور، صوبہ بیدر کا کچھ حصہ علاوہ ازین صرفخاص و دیگر اُمرا اور منصبدارون کی جاگیرین غرض بہ حیثیت مجموعی (۶۲) لاکھ سالانہ آمدنی کے علاقے مرہٹون کے قبضے میں چلے گئے[۳۱] صرف تھوڑا سا ملک سلطنت آصفیہ کے نام سے باقی رہ گیا جو صوبہ حیدرآباد صوبہ برار، بیجاپور، شہر اورنگ آباد اور بیدر پر مشتمل تھا[۳۲] اور اِن علاقون میں بھی مرہٹون کو چوتھ وصول کرنے کا حق مل گیا تھا۔[۳۳]

مرہٹون کے ساتھ صلح ہوتے ہی صلابت جنگ حیدرآباد روانہ ہوئے۔ اِسوقت اِس ناکامی کی وجہ سے ملک میں اُن کا وقار باقی نہیں رہا تھا لیکن باوجود اِس کے وہ فتنہ پردازون کی ہر بات سننے کے لئے تیار تھے چنانچہ مفسدون کے مشورے سے اُنہون نے اِسکی منظوری دیدی کہ نواب نظام علیخان کو ایلور اور راجمندری بھیجدیا جائے

---

[۳۱] توزک آصفیہ صفحہ ۱۱۲، سیر المتاخرین جلد سوم صفحہ ۹۰۲۔

[۳۲] سیر المتاخرین جلد سوم صفحہ ۹۰۲۔ نوٹ۔ شعراء نے اِس سانحہ کے متعلق جو تاریخی قطعات لکھے ہیں اُس سے بھی ایک حد تک اس تاریخی واقعہ اور ملکی نقصان کی تصدیق ہوتی ہے چنانچہ ایک قطعہ حسب ذیل ہے۔

کافر دشمنِ اسلام گرفت — حسن بسیار حسینی از فن
سال تاریخ رقم کرد خرد — رفت احمدنگر و ملک دکن
۱۱۷۳ھ
رشید الدینخانی ص ۲۶۵

[۳۳] سیر المتاخرین جلد سوم ص ۹۰۲

اور اُن کی جگہ حمید اللہ خان کو وکیل مطلق مقرر کیا جائے۔ یہ خبر سنکر نواب نظام علیخاں صلابت جنگ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سلطنت کی خیر خواہی اور بدخواہان سلطنت کو سزا دینے کے متعلق گفتگو کی۔ لیکن صلابت جنگ اُن کو ٹالنا چاہتے تھے لہذا بمقام یلگندل فوج کی چھاؤنی قرار دیکر نواب نظام علیخاں کو وہاں جانے کا حکم دیا۔ باوجود اس کے کہ بارش کا موسم تھا لیکن وہ حسب فرمان روانہ ہو گئے [۳۴]

موسم برسات کے اختتام پر اطلاع ملی کہ بالاجی راؤ کا بھائی رگھناتھ راؤ ملک کو تاخت و تاراج کر رہا ہے لہذا اُس کے مقابلہ کے لئے نواب نظام علیخاں روانہ ہوئے اُس نے مصلحت وقت سمجھکر صلح کر لی، بعد ازاں آپ نے بیدر جاکر وہاں کے قلعدار میر مقتدا خان کو جو سرکش ہو گیا تھا سزا دی۔ اور سعادت خان کو قلعدار مقرر کیا۔ پھر حیدرآباد آکر اپنے بھائی صلابت جنگ کے ہمراہ گلبرگہ گئے [۳۵]

نواب نظام علیخاں نے گلبرگہ میں صلابت جنگ کو سمجھایا کہ "میں نے آپ سے کبھی عہد شکنی نہیں کی، میری نیت ہمیشہ یہی رہی کہ سلطنت کا انتظام اچھا ہو اور سرکشوں کو سزا ملے۔ کسی مصیبت کے وقت مجھ سے کوئی کوتاہی نہیں ہوئی میں نے ہر موقع پر خطرہ کی مدافعت میں جانبازی کا ثبوت دیا ہے۔ آپ اس طرح ہمیشہ فتنہ پردازوں کے جال میں نہ پھنسئے اور مجھکو نشانہ ملامت نہ بنائیے۔ میں اپنے متعلق صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ کی خوشنودی اور فرمانبرداری ہمیشہ میرے

[۳۴] تزک آصفیہ صفحہ ۱۱۴۔

[۳۵] Hollingbery's History. P 31.

ملحوظ خاطر رہیگی "غرض اس قسم کی گفتگو کر کے صلابت جنگ کو دوبارہ اپنا گرویدہ بنالیا۔[۳۶] اس طرح جب پھر ایک مرتبہ حکومت کی باگ ہاتھ آگئی تو نواب نظام علیخان کو سلطنت آصفیہ کے کھوئے ہوئے علاقے حاصل کرنیکی فکر پیدا ہوئی اس موقع پر بہت سے مرہٹوں نے نواب نظام علیخان کا ساتھ چھوڑ دیا اور جاتے ہوئے اُن کے چھوٹے بھائی میر مغل علیخان کو بہکا کر لے گئے[۳۷] لیکن باوجود اس کے آپ صلابت جنگ کو ساتھ لیکر مع افواج پونا کے قریب پہونچ گئے۔ مرہٹوں نے گھبرا کر صلح کی درخواست پیش کی تو نواب نظام علیخاں نے اُن تمام علاقوں کی واپسی کا مطالبہ کیا جن پر بالاجی راؤ نے قبضہ کر لیا تھا۔[۳۸]

عہد نامہ پونا۔ بالاخر ۱۷۶۰ء میں مرہٹوں سے جدید معاہدہ ہوا جسکی رُو سے اورنگ آباد اور بیدر کے علاقے جنکی آمدنی (۲۷) لاکھ سالانہ تھی نواب نظام علیخان نے واپس لے لئے۔

مرہٹوں سے عہد نامہ صلح ہونے کے بعد اُسی سال نواب نظام علیخاں اپنے بھائی صلابت جنگ کو ساتھ لے کر بیدر آئے۔ یہاں جو واقعات پیش آئے اُس کے متعلق خود ہمعصر مورخین کی تحریروں میں اختلاف پایا[۳۹] جاتا ہے لیکن ملک کے

---

[۳۶] تزک آصفیہ صفحہ ۱۱۹۔

[۳۷] سوانح دکن مصنفہ منعم خاں (قلمی فارسی) ورق ۱۰

[۳۸] Brigg's the Nizam....and relations with the Br. Govt. P. 63 & 64

[۳۹] حدیقۃ العالم مقالہ ثانی (صفحہ ۲۴۶) میں میر عالم نے حسب ذیل عبارت لکھی ہے "بعد استقرار صلح معاودت به بیدر نمودہ درہمین سال صوبہ داری دکن از پیشگاہ خلافت بنام اوعز صدور یافت بنابران برادر کہ را منزوی ساختہ

کے حالات اور سیاسی ماحول کو پیش نظر رکھ کر یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ جب صلابت جنگ
کی وجہ سے سلطنت کی حالت دن بدن خراب ہوتی گئی تو "ہمہ عیان ہر دو سرکار نے
نواب نظام علیخاں کی خدمت میں یہ معروضہ کیا کہ "صلح دولت آصفیہ مقتضی آنست کہ
آصف الدولہ چندے از کار ریاست دست باز داشتہ بپائے انزوا در یکجا باشند، بعد
تنظیم و تنسیخ مہمات قلمرو دکن و انطفائے شعلہ فساد و فتنہ باز بہ مسند کامرانی متمکن شوند۔
چون رائے ہمہ اعیان برین امر قرار یافت چار و ناچار در قلعہ بیدر آمدہ او شان را چہارم
ذیحجہ سال مذکور (۱۱۷۵ھ) در رباط انزواہم جلیس راحت ساختند تا شورش اعدا کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۲) خود بالتق و فاتق مہمات ریاست گردید" یہ عبارت بجنسہ مآثر الامراء جلد سوم صفحہ (۱۸۷) پر موجود ہے
معلوم ہوتا ہے کہ مآثر الامراء کے مؤلف صمصام الدولہ سے میر عالم نے یہ عبارت نقل کی ہے اور اپنی اس تحریر کے ثبوت میں
"صاحب خزانہ عامرہ" کا حوالہ دیا ہے چنانچہ آزاد حسین بلگرامی مصنف خزانہ عامرہ کا بیان یہ ہے "نواب
آصفجاہ ثانی بعد از آن کہ قلعہ بیدر را دائرۂ مرکز نزول خود ساخت، فرمان شاہ عالم عالی گہر را کہ بنام او
مشتمل بر تفویض صوبہ داری دکن از تغیر امیر الممالک صادر شدہ بود استقبال نمودہ بدست تعظیم گرفت و
مسند ریاست را بالاستقلال آرائش تازہ داد" (خزانہ عامرہ قلمی ورق ۵۰) تعجب ہے کہ وہی میر عالم
اپنی کتاب حدیقۃ العالم مقالہ ثانی کے صفحہ (۲۶۵) پر لکھتے ہیں "آغاز موسم برشگال چہاردہم ذی الحجہ سنہ
خمس و سبعین و مائۃ و الف بارادۂ چھاؤنی با امیر الممالک داخل قلعہ بیدر شد، وہمان روز امیر الممالک کہ بگفتۂ مغویان
مصدر حرکاتی کہ بموجب اختلال در امر ریاست باشد میگردید، و از ینجہت از ہر سو در ہر وقت آتش فتنہ بلند میشد
نواب آصفجاہ در اطفای آن میکوشید، بصوابدید ارکان دولت کہ چندے آصف الدولہ را در گوشہ انزوا ہم جلیس
راحت ساختن مناسب وقت است در قلعہ مذکور منزوی گردانید"۔
میر عالم کی ہر دو تحریروں میں جو اختلاف ہے وہ ظاہر ہے اس اختلاف کی بنا یہ ہو سکتی ہے کہ خزانہ عامرہ کے مصنف کی

از ہر سو سرکشیدہ بود غرو نشست[140]

اِس طرح جب رعایا کی فلاح اور ملک کے مفاد کی خاطر اُمرا کے مشورہ اور اصرار کی بنا پر صلابت جنگ کی علیحدگی عمل[141] میں آئی تو نواب نظام علیخاں بہادر ۱۷۶۱ء میں تخت نشین ہوئے۔

غلطی کو میر عالم نے بالتحقیقات آثر الامرا سے نقل کر لیا ہو حالانکہ یہ لوگ نواب نظام علیخان کے ہمعصر اور درباری اُمرا میں سے تھے اونکی اس غلطی کا پتہ تزک آصفیہ سے چلتا ہے جسکے مصنف تجلی علی شاہ کو بھی نواب نظام علیخان کے نہ صرف ہمعصر بلکہ درباری ہونے کا شرف حاصل تھا۔ اُن کا حسبِ ذیل بیان زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے "بندگان حضرت.... ...... بارادۂ قشلاق به محمد آباد بیدر روانہ گشتند دریں سفر بدمزاجی وسوئے اخلاقی آصف الدولہ زیادہ از سابق نقش بست...... چندین بار خطوط بمہر او شان محتوی بفتور و فساد بدست آمدہ بود۔ چون بدمزاجی از حد تجاوز گردید وشورش عظیم در ممالک محروسہ از ہر سو پدید آمد۔ واعدا از ہر طرف بقصد مال و ناموس رعایا تاخت آوردند و حدوث عظمیٰ در ممالک شیوع یافتہ کافۂ خلائق در نہایت اندیشہ افتادہ خواستند کہ رختِ آوارگی بملک دیگر برکشند........" (تزک آصفیہ صفحہ ۱۳۴) حقیقت یہ ہے کہ اُمرا کی جانب سے صلابت جنگ کی علیحدگی عمل میں آئی نہ کہ دہلی کے شاہی فرمان کی بنا پر۔ اول تو یہ تغیراتِ سیاسی فرمان آنے سے قبل ہی عمل میں آچکے تھے دوم یہ کہ فرمان کی اہمیت اِسوقت محض رسمی رہ گئی تھی کیونکہ ۱۷۲۴ء سے دکن کی حیثیت واقعتاً ایک خود مختار ریاست کی ہو گئی تھی۔

[140] توزک آصفیہ صفحہ ۱۳۶۔

[141] نوٹ (۱۳) سالہ حکومت کے بعد نواب صلابت جنگ سوا برس کے قریب قلعہ بیدر میں نظر بند رہ کر فوت ہوئے۔

باب چہارم

(تخت نشینی کے وقت سلطنت کی حالت اور دیگر ریاستوں کے ساتھ تعلقات)

نواب نظام علیخاں آصفجاہ ثانی کی تخت نشینی کے کچھ دنوں قبل سلطنت حیدرآباد کا رقبہ اس شکست کی وجہ سے بہت ہی کم ہوگیا تھا۔ جو صلابت جنگ کے آخری زمانہ میں مرہٹوں کے ہاتھوں اُٹھانی پڑی۔ اور جس کا انجام عہدنامہ اُدگیر ۱۷۶۱ء تھا۔ اُس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مرہٹوں کی بڑھتی ہوئی طاقت[۱] کے زیر اثر ملک دکن کا باقی حصہ بھی آجائیگا۔ اور مرہٹے باقی ملک پر قابض ہوجائینگے اور خود پیشوا بالاجی راؤ کو اس بات کی پوری امید تھی کہ دو تین سال کے عرصہ میں دکن کی سلطنت مرہٹوں کی سلطنت میں شامل ہوکر رہیگی[۲]

ممالک محروسہ کا رقبہ اتنا مختصر رہگیا تھا کہ اُس میں صرف شہر حیدرآباد، صوبہ برار اور صوبہ بیجاپور کے کچھ حصے اور تھوڑا سا ملک شامل تھا ورنہ بقیہ (۶۲) لاکھ روپیے سالانہ آمدنی کا رقبہ تو مرہٹوں کے ہاتھ میں چلا گیا تھا۔ البتہ بعد میں نواب آصفجاہ ثانی نے پونا پہونچکر مرہٹوں کو عہدنامہ کرنے کے لئے جو مجبور کیا اُس کی رو سے اورنگ آباد اور بیدر کے کھوئے ہوئے علاقے جنکی سالانہ آمدنی (۲۷) لاکھ روپیے تھی، ہاتھ آگئے۔ اِس طور پر تخت نشینی کے وقت نہ تو ملک کا

---

[۱] Brigg's the Nizam....and relations with the Br. Govt. P. 63

[۲] Kincaid's History of the Maratha people Vol. III. P. 42

اصلی رتبہ باقی رہا تھا۔ اور نہ سابقہ عظمت بلکہ عام طور پر اندرون ملک بد امنی پھیلی ہوئی تہی۔ اور بیرونی سلطنتوں کے ساتھ اتحاد اور دوستی کی جگہ دشمنی اور مخالفت چلی آرہی تھی۔

ملک کی اندرونی حالت۔ ملک کے اندر جا بجا ہر طرف بغاوتوں کا سلسلہ جاری تھا بڑے بڑے زمیندار سرکش اور خود مختار ہو گئے تھے۔ نواب آصفجاہ ثانی کی تخت نشینی سے کچھ دنوں پہلے نرمل کا زمیندار سُرپارائو سرکش ہو گیا تھا۔ جس کو آصفجاہ ثانی نے مطیع کیا۔ رعایا کی جان و مال۔ اُن کی عزت اور آبرو کی خاطر خواہ حفاظت نہ ہونے سے رعایا، اِس قدر تنگ آگئی تھی کہ وہ اپنے آبائی ملک و وطن سے نقل مقام کرنے کے لئے تیار تھی۔ ملک میں اِس طرح بدنظمی دیکھکر مفسدوں کو فتنہ فساد برپا کرنیکا نہایت اچھا موقع ملتا تھا۔ حکومت کا کوئی رعب کوئی ڈر یا کسی قسم کا اثر باقی نہیں رہا تھا۔ ایسے زمانہ میں عدل و انصاف کی توقع رکھنا بعید از قیاس ہے۔ جب فتنہ و فساد اور بدنظمی اتنی عام ہو تو ترقی کی کیا اُمید ہو سکتی ہے۔ زراعت صنعت و حرفت اور تجارت اُس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ غرض اِس طور پر ملک کی ترقی کے دروازے بالکل بند تھے۔

یہ تو ملک کی اندرونی حالت تہی جہاں امن و امان اور عدل و انصاف قائم رکھنا حکومت کا سب سے بڑا فریضہ ہے اب حکومت کے اُس سے مقدم فریضہ یعنی بیرونی دشمنون کے مقابلہ میں ملک کی حفاظت کو لیجئے یہ کام تو حکومت کی بس میں رہا ہی نہ تھا۔ حکومت بالکل مجبور تھی۔ آئے دن طاقتور دشمنون اور خصوصاً مرہٹوں کے حملے ملک کے ہر گوشہ پر ہوتے رہتے تھے۔ جسکی وجہ سے رعایا کو

سخت مصیبت اُٹھانی پڑتی تھی۔ اُن کے گھربار لُٹ جایا کرتے یا جلا دیئے جاتے تھے اور اگر وہ مقابلہ کے لیئے تیار رہوتے تو اُن کو اپنی جانین قربان کرنی پڑتی تھیں ورنہ اُن کا مال و متاع گھربار غنیم کے حوالہ ہو جاتا تھا۔[۵۳]

گو مالی اور فوجی اعتبار سے حکومت کی حالت اتنی خراب نہ تھی۔ سپاہی اور خزانہ موجود تھا۔ لیکن حکومت کے ہر رگ و پے میں کمزوری سرایت کرگئی تھی چونکہ صلابت جنگ کی نااہلی انتہا کو پہونچی ہوئی تھی۔ جس کی وجہ سے ہر فتنہ پرداز اپنے مقصد میں کامیاب ہوسکتا تھا اور آخر حکومت کو نقصان پہونچاتا تھا۔ فرانسیسون کی سازشین علحدہ تھین، درباریون کی سازشین علحدہ۔ اِن تمام کا مجموعی نتیجہ یہ تھا کہ سلطنت ایک قالب بے جان رہگئی تھی کہ جس میں زندگی کا کوئی نشان ہی باقی نہیں رہا تھا۔

دیگر ریاستون سے تعلقات۔ جنوبی ہند کی ریاستون میں اس وقت تین ہی ایسی ریاستین تھین کہ جن سے موقع محل کے اعتبار سے سلطنت حیدرآباد کے مخالفانہ یا دوستانہ تعلقات قائم ہوسکتے تھے۔ (۱) مرہٹے (۲) میسور (۳) کرناٹک وغیرہ فرانسیسون اور انگریزون کے اُس زمانہ کے مقبوضات کو ریاست یا سلطنت کے نام سے موسوم کرنا سراسر غلطی ہے۔

مرہٹون کے ساتھ تعلقات۔ سب سے پہلے مرہٹون کے تعلقات ظاہر کرنے کے لئے یہ لکھنا کافی ہے کہ ابتدا سے سلطنت آصفیہ اور مرہٹون کے تعلقات کشیدہ رہے اور جب کبھی اُن میں صلح یا اتحاد قائم ہوا تو وہ محض وقتی

---

[۵۳] تزک آصفیہ صفحہ ۱۴۳۔

اور عارضی تھا۔ ایک اور بات قابل لحاظ یہ ہے کہ خود مرہٹون کے اندر اتنی تفریق فرقہ بندی اور آپس کے جھگڑون کا سلسلہ رہتا تھا۔ کہ جس کی وجہ سے اُن کے ہمسایونکو بہت کم امن چین مل سکتا تھا اُن کے آپس کے جھگڑے اس قسم کے پیچ در پیچ ہوتے تھے کہ سلطنت حیدرآباد اگر ایک فریق کا ساتھ دیتی تو دوسرا فریق اُس کا مخالف ہوجاتا۔ اور اگر دوسرے فریق کا ساتھ دیتی تو پہلا فریق دشمن ہوجاتا۔ اور غیر جانبداری کے مسلک پر عمل کیا جاتا تو دونون فریق مخالف ہوجاتے اور بیک وقت دونون فریق کو امداد دینا ممکن نہ تھا۔

غرض اِس طور پر مرہٹون کی وجہ سے سلطنت حیدرآباد کو ہمیشہ خسارہ اُٹھانا پڑتا تھا۔ نظام علی خان کی تخت نشینی کے وقت بھی حسب حال تعلقات کشیدہ تھے۔ کیونکہ تخت نشینی سے کچھ دنوں قبل نواب آصفجاہ ثانی نے عہدنامہ پونا کی رو سے اورنگ آباد اور بیدر کے علاقے جنکی مجموعی آمدنی (۲۷) لاکھ تھی مرہٹون سے چھین لئے تھے اور عارضی طور پر اُن سے صلح ہوگئی تھی۔

تخت نشینی کے بعد بھی نواب آصفجاہ ثانی کی سب سے پہلی کوشش یہ تھی کہ کسیطرح حیدرآباد کے وہ تمام علاقے جو مرہٹون کے ہاتھ میں چلے گئے ہیں واپس لئے جائیں چنانچہ تخت نشینی کے تھوڑے عرصہ بعد ۱۷۶۱ء میں آصفجاہ ثانی نے مادھو راؤ پیشوا کے چچا رگھناتھ راؤ کی تائید میں مرہٹون پر حملہ کیا۔ پیشوا کو احمد نگر اور پونہ کے درمیان شکست ہوئی۔ جب پیشوا نے اپنے چچا رگھناتھ راؤ سے پناہ مانگی تو صلح ہوگئی اور بمقام پرگاؤں عہدنامہ ہوا جس کے مطابق آصفجاہ ثانی کو اِس امداد کے معاوضہ میں مرہٹون نے دولت آباد، سنور رائی، احمد نگر اور

اسیر گڑھ کے قلعے یعنی (۱۵) لاکھ روپیہ سالانہ آمدنی کے علاقے دینے کا وعدہ کیا۔[۴]

اِس طرح نہ صرف تخت نشینی کیوقت بلکہ اُس کے بعد دو تین سال تک مرہٹون سے برابر جنگ ہوتی رہی جس میں نواب آصفجاہ ثانی کی فوجون نے ایک مرتبہ خاص پونا تک پہنچ کر انتقاماً اُس شہر کو جلا دیا۔ (۱۱۷۶ھ) اور اُس کے جواب میں مرہٹون کی اورنگ آباد پر یورش ناکام رہی۔ آخر نصف سے زیادہ کھویا ہوا علاقہ لیکر نواب آصفجاہ ثانی نے مرہٹون سے صلح کرلی۔

میسور کے ساتھ تعلقات۔ آصفجاہ ثانی کی تخت نشینی کیوقت سلطنت میسور سے بھی اُن کے تعلقات دوستانہ نہ تھے اِس موقع پر میسور کی ابتدائی تاریخ اور سلطنت آصفیہ کے ساتھ اُس کے تعلقات بتانے کے لئے یہ کھنا کافی ہے کہ یہان کے راجہ صوبہ دار دکن کے ماتحت اور سلطنت مغلیہ کے باجگذار سمجھے جاتے تھے۔ نواب ناصر جنگ نے مظفر جنگ اور چند اصاحب کے خلاف کرناٹک پر فوج کشی کی تو اس موقع پر سرینگاپٹم یا میسور کے راجہ نے بھی نظام الملک کو بحثییت باجگذاری امدادی فوج بھیجی تھی۔[۵]

میسور میں جو انقلابات ہوئے اُس کا نتیجہ یہ رہا کہ حیدر علی میسور کا بادشاہ بنا اور اُس کے پاس بادشاہی کے لوازمات بھی جمع ہوگئے۔ حتیٰ کہ آصفجاہ ثانی کی تخت نشینی کے سال اُس نے اُن کے بھائی بسالت جنگ حاکم ادھونی کو تین لاکھ روپیے دیکر سیرا کی صوبہ داری اور "نواب حیدر علی خاں" کا خطاب

---

[۴] Aurangabad Gazetteer P. 205

[۵] حیدر علی اینڈ ٹیپو سلطان مصنفہ بورنگ صاحب چیف کمشنر میسور صفحہ ۲

حاصل کرلیا تھا۔ چونکہ یہ بسالت جنگ کی بے قاعدہ کارروائی تھی اِس لئے یہاں دربارِ دکن میں اِس خطاب و سند کو کبھی تسلیم نہیں کیا گیا۔ اُدھر اُس نے اپنی خود مختاری کو مسلّم سمجھکر دکن کے صوبہ دار سے ماتحتی اور خراج گذاری کا تعلق بالکل منقطع کرلیا۔ اور جب جنگی قوت اور حدود ریاست میں کافی اضافہ ہوا تو سلاطین میسور کو آصفجاہ ثانی کی نہ صرف ہمسری بلکہ اُن پر فوقیت کا دعویٰ پیدا ہوا۔[۵۳] یہی اصل وجہ تھی جس نے حیدرآباد کی سلطنت کو میسور کا سخت مخالف بنادیا تھا۔ چنانچہ تخت نشینی کے دوسرے ہی سال عہدنامہ پرگاؤں کے بعد نواب آصفجاہ ثانی رگھنا تھ راو اور مادھوراؤ کو ساتھ لیکر "حیدر نائک" کو اُس کے غرور اور بد دماغی کی سزا دینے کے لئے روانہ ہوئے۔[۵۴]

کرناٹک کے ساتھ تعلقات۔ کرناٹک کی ریاست بھی دراصل صوبہ دارِ دکن کے ماتحت تھی۔ چنانچہ آصفجاہ اول کے بعد دکن میں جو خانہ جنگی ہوئی اُس وقت انورالدینخاں نے جس کو آصفجاہ اول نے وہاں کا حاکم مقرر کیا تھا ناصر جنگ کی حمایت میں اپنی جان دی۔ بعد ازاں کرناٹک کے دعویدار چندا صاحب کے قتل ہونے پر انورالدین کا بیٹا محمد علیخاں والاجاہ وہاں کا مستقل حاکم ہوگیا۔[۵۵] معلوم یہ ہوتا ہے کہ اُس نے بھی صلابت جنگ کی کمزوری سے فائدہ اُٹھا کر خراج وغیرہ بھیجنا بند کردیا تھا۔ اِس طرح آصفجاہ ثانی کی تخت نشینی کے وقت ریاست کرناٹک سے بھی دوستانہ تعلقات قائم نہ تھے چنانچہ تخت نشینی کے دوسرے

---

[۵۳] ماہ نامہ ورق ۵۵۔ وتحفۃ العالم صفحہ ۹۰۔ [۵۵] تزک آصفیہ صفحہ ۱۳۹۔

[۵۴] Aitchison's collection of Treaties etc. Vol. V. P. 294

ہی سال نواب آصفجاہ ثانی محمد علیخاں والاجاہ کو سزا دینے کے لئے ارکاٹ روانہ ہوئے تھے[۵]۔

خلاصہ یہ کہ تخت نشینی کیوقت سلطنت کی حالت ہر نقطہ نظر سے خراب تھی اور اس کے علاوہ مرہٹوں، سلطنت میسور اور کرناٹک غرض تمام ہمسایہ ریاستوں سے مخالفت جاری تھی۔ انگریزوں سے بھی کوئی مستقل تعلقات قائم نہ تھے۔ البتہ فرانسیسوں کے قدم جمگئے تھے اور وہ ہر قسم کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں سے اپنے ذاتی اغراض کی تکمیل میں لگے ہوئے تھے، ورنہ سلطنت سے اُن کو بھی کوئی خاص ہمدردی نہ تھی۔

———— ∴ ————

[۵] تزک آصفیہ صفحہ ۱۵۲۔

باب پنجم

انگریزون سے مستقل تعلقات کی ابتدار

حیدرآباد اور انگریزوں کے درمیان تعلقات کی ابتدار نواب صلابت جنگ کے زمانہ سے ہوتی ہے ۱۷۵۶ء میں جب انگلستان اور فرانس میں جنگ چھڑ جانیکی وجہ سے انگریزی فوجون نے شمالی سرکار سے فرانسیسوں کو بیدخل کر دیا تو صلابت جنگ پہلے فرانسیسون کی تائید میں انگریزون سے مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہوئے لیکن بعد میں مصلحت سمجھکر کرنل فورڈ کی عرضداشت مورخہ ۱۴ مئی ۱۷۵۹ء منظور کر لی، جس کے مطابق بطور جاگیر مچھلی پٹن اور دیگر اضلاع انگریزوں کو دے دیئے گئے[۱]

آصفجاہ ثانی کی تخت نشینی کے چار سال بعد تک انگریزوں اور سلطنت آصفیہ کے درمیان نہ تو دوستانہ تعلقات کا سلسلہ رہا اور نہ مخالفانہ۔ البتہ ۱۷۶۵ء میں جب انگریزوں نے بنگال، بہار اور اڑیسہ کی دیوانی کے لئے شہنشاہ دہلی سے فرمان حاصل کیا۔ تو اُسی فرمان میں اُنہوں نے بالا بالا شاہ عالم ثانی سے شمالی سرکارون کے متعلق بھی اجازت حاصل کر کے اوس پر قبضہ کر لیا۔ جب اِس کی اطلاع حیدرآباد پہونچی تو آصفجاہ ثانی کو

۱ـ AitcHison's collection of Treateis etc., Vol. V. P. 145.

بہت غصہ آیا اور فوج کشی کی تیاریاں کی گئیں کہ انگریزوں کو جبراً اِس علاقہ سے خارج کردیا جائے۔ لیکن انگریزون نے دب کر (۷) لاکھ روپیے سالانہ خراج اور بوقت ضرورت کچھ امدادی فوج دینے کا عہد کرلیا اور ان شرائط پر آصفجاہ ثانی نے شمالی سرکار اُنہین کے قبضہ میں رہنے دئے۔

نواب آصفجاہ ثانی اور کمپنی کے درمیان یہ عہدنامہ بتاریخ ۱۲ نومبر ۱۷۶۶ء ہوا تھا۔ اِس کے ابتدائی دفعات میں باہمی امداد، دوستی و اتحاد کے عہد و پیمان کے علاوہ ایلور، سکاکول، راجمندری، مصطفےٰ نگر اور مرتضیٰ نگر کی سرکارین کمپنی کو اِس شرط پر بطور جاگیر دیدینے کا ذکر ہے کہ "کمپنی امدادی فوج یا اُس کے معاوضہ میں (۷) لاکھ روپیے سالانہ ادا کریگی۔ اِس عہدنامہ کی دفعہ چہارم میں مرتضیٰ نگر (گنٹور) کے متعلق صاف طور پر الفاظ موجود ہیں کہ یہ سرکار نظام کے بھائی بسالت جنگ کی جاگیر ہے۔ اور کمپنی اِس امر کا وعدہ کرتی ہے کہ بسالت جنگ کے حین حیات یا بغیر آصفجاہ ثانی کی خوشنودی کے وہ اِس پر قبضہ نہیں کریگی"۔ (عہدنامہ ۱۷۶۶ء دفعہ ۴) باوجود اِس کے انگریزون نے یہ روپیہ کئی سال تک ادا نہیں کیا۔ اور مختلف عذرات کی بنا پر لیت و لعل کرتے رہے اور نیز آصفجاہ ثانی کی جب میسور سے جنگ چھڑی تو اُس میں حسب معاہدہ امدادی فوج بھی نہیں بھیجی۔

۱۷۶۸ء میں انگریزون اور سرکار نظام کے مابین دوامی دوستی اور اتحاد کے نام سے دوسرا عہدنامہ ہوا جس میں نواب کرناٹک بھی شریک تھے اِس عہدنامہ کی رو سے نواب آصفجاہ ثانی نے وہ تمام اسناد جو سابق صوبہ داران دکن نے

Aitchison's P. 145

حیدر علی کو عطا کئے تھے منسوخ قرار دیئے سات لاکھ روپیے سالانہ خراج کے عوض کرناٹک، بالا گھاٹ کی دیوانی کمپنی کو عطا کی اور شمالی سرکار کی مقررہ رقم میں تخفیف کی۔ فوجی امداد باہمی کی ترمیم اس طرح پر ہوئی کہ وقت ضرورت کمپنی دو پلٹن فوج اور توپوں سے سرکار نظام کی مدد کریگی بشرطیکہ سرکار نظام اس فوج کے اخراجات ادا کریں اور کسی ایسے شخص کے خلاف اس فوج سے کام نہ لیں جو انگریزوں کا حلیف ہو[۱] لیکن آصفجاہ ثانی نے انگریزوں سے ایک عرصہ تک وہ فوج طلب ہی نہیں کی ہے[۲]

اس عہد نامہ فورٹ سنیٹ جارج کی دفعہ ۷ کا خلاصہ یہ تھا کہ "شہنشاہ شاہ عالم ثانی نے کرناٹک پائین گھاٹ پر نواب والاجاہ اور اُن کی اولاد کی دوامًا حکومت کے لیئے فرمان نافذ کیا ہے اور خود سرکار نظام نے بھی نواب والاجاہ اور اُن کی اولاد کو دکن کی ماتحتی سے سبکدوش کیا ہے لہٰذا نواب آصفجاہ کو آئندہ اس علاقہ میں مداخلت کا کوئی حق نہ ہوگا" (عہدنامہ فورٹ سنیٹ جارج دفعہ ۷)[۳]

اس عہد نامہ کے بعد ۱۲ مارچ ۱۷۶۸ء کو آصفجاہ ثانی نے شہنشاہ دہلی کے فرمان کا حوالہ دیکر تمام دیسمکھوں مقدموں اور باشندوں کے نام اطلاعنامے بھیجے کہ "پانچوں شمالی سرکاروں پر کمپنی کا دوامی قبضہ و ملکیت

---

[۱] Aitchison's collection of Treaties etc., Vol. V. P. 133

[۲] Auber's Rise and Progress of Br. Power in India Vol. II P. 64

[۳] عہدنامہ نمبر ۳۷ (Aitchison. Vol. V.)

اور ممالک کرناٹک و بالاگہاٹ و پائین گہاٹ کی دواماً دیوانی کا حق کمپنی کے تفویض کیا جاتا ہے۔ لہذا انہیں کمپنی کی اطاعت گزار رعایا بنکر رہنا چاہیئے[۷۵]

صورت حالات یہ تھی کہ ۱۷۷۸ء میں آصفجاہ ثانی کے بہائی بسالت جنگ نے حیدر علی کے حملہ سے خائف ہوکر گنٹور کا پٹہ انگریزوں کے حوالہ کرنے کی رضامندی ظاہر کی۔ اور انگریزون نے حیدر علی کے حملہ سے اُن کو بچانے کا وعدہ کیا[۷۶]۔ اسطرح حکومت مدراس نے بغیر آصفجاہ ثانی کی منظوری کے بسالت جنگ سے اس قسم کا عہدنامہ کرکے مسٹر جان ہالینڈ کو سفیر بناکر حیدرآباد روانہ کیا تاکہ آصفجاہ ثانی کو سمجھائے کہ یہ عہدنامہ فرانسیسون کے خطرہ کی پیش بندی کے لیئے کیا گیا ہے اس لئے سابقہ عہدنامہ کے خلاف نہ سمجھا جائے لیکن مسٹر ہالینڈ کی یہ سفارت ناکامیاب ثابت ہوئی اور آصفجاہ ثانی کے جوش و غضب کا باعث ہوئی جسکی وجہ سے انگریزونکو بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا[۷۷] کیونکہ فی نفسہ اس قسم کا عہدنامہ ۱۷۶۸ء کے معاہدہ کی سراسر عہد شکنی تھی جس کو تسلیم کرنے سے آصفجاہ ثانی نے قطعاً انکار کردیا۔ اس لئے مجبوراً کلکتہ کی حکومت اعلیٰ نے اس معاہدہ کو منسوخ قرار دیا اور ضلع گنٹور جو اس دوران میں نواب کرناٹک کو دس سال کے لئے پٹہ پر دیا گیا تھا سرکار نظام کے عہدہ دارون کو واپس کردیا گیا[۷۸]۔ اس واقعہ کے تین سال بعد ۱۷۸۲ء میں بسالت جنگ

[۷۵] Aitchison's collection of Treaties etc., Vol. V. P. 157.

[۷۶] Historical and Descriptive sketch Vol. I. P. 87

[۷۷] Hollingbery's History. Foot note P
Kincaid's History of the Maratha people Vol. III. P 134

[۷۸] Historical and Descriptive sketch Vol. I. P. 87
Aitchison's P. 47

کا انتقال ہوگیا لیکن آصفجاہ ثانی نے مزید پانچ سال تک گنٹور کو انگریزون کے حوالہ کرنے سے انکار کر دیا۔ وجہ یہ تھی کہ سابقہ عہدناموں کے مطابق جو خراج کی رقم آتی تھی اُس کا بقایا انگریزون کے ذمہ بہت زیادہ رہ گیا تھا جس کے متعلق اس کے قبل ہی ۱۷۸۰ء اس کے گورنر لارڈ میکارٹنی (Lord Macartney) نے آصفجاہ ثانی کی خدمت میں ایک تفصیلی خط دوستی اتحاد اور آصفجاہ ثانی کی تعریف کرتے ہوئے اِس مضمون کا بھیجا تھا کہ "آئندہ سے آپ کی پیشکش کی رقم پابندی وقت کے ساتھ بھیجی جائیگی" [۱۰] مگر جب حسب حال شمالی سرکارون کی پیشکش کے متعلق کمپنی اور سرکار نظام کے تعلقات کھنچے رہے تو لارڈ کارنوالس نے بالآخر ۱۷۸۸ء میں کیپٹن جان کینوئے (Kennaway) کو رزیڈنٹ بنا کر حیدرآباد بھیجا تاکہ کمپنی کے ذمہ جو خراج کی رقم کا بقایا چلا آرہا ہے اِس کا تصفیہ ہو جائے اور کمپنی کو ضلع گنٹور مل جائے۔ ضلع گنٹور کے مطالبہ کی تکمیل تو ہوگئی کیونکہ اِس مطالبہ کے ساتھ گورنر جنرل نے فوجی تیاریاں کی تھیں۔ لیکن خراج کی بقایا رقم کا تصفیہ حیدرآباد میں نہ ہوسکا۔ اس لئے فریقین کی رضامندی سے اِس معاملہ کا تصفیہ گورنر جنرل کے فیصلہ پر چھوڑ دیا گیا۔ اور آصفجاہ ثانی کی طرف سے بطور نمایندہ میر ابوالقاسم (میر عالم) کو کلکتہ بھیجا گیا۔ [۱۱]

۱۰؎ Historical and Descriptive sketch Vol, I. P. 89

۱۱؎ Our Faithful Ally the Nizam. P. 37
Aitchison's Collection of Treaties etc., Vol. V. P. 133
Auber's Rise and Progress of Br. Power in India Vol. II P 64

گنٹور کی واپسی اور پیشکش کی ادائی کے جھگڑے بسالت جنگ کی وفات ۱۷۸۲ء سے چلے آرہے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ تھا کہ سرکار نظام اور کمپنی کے تعلقات میں ایک قسم کی کشیدگی پیدا ہوگئی تھی۔ اِس معاملہ میں مسٹر گرانٹ رزیڈنٹ حیدرآباد کو ۱۷۸۴ء میں اِس لئے مستعفی ہونا پڑا کہ اُنہوں نے دربار دکن پر بیجا دباؤ ڈالنے سے انکار کیا تھا۔ اور اُن کی جگہ مسٹر جانسن کو رزیڈنٹ بناکر حیدرآباد بھیجا گیا تاکہ وہ دربار دکن پر دباؤ ڈالکر جلد اِن معاملات کا تصفیہ کرائیں۔ آصفجاہ ثانی نے دورانِ گفت وشنید میں یہ تجویز کی کہ "مناسب معاوضہ اور بطور تحفہ ایک کروڑ روپیہ لیکر شمالی سرکار اور کرناٹک کے علاقے اُن کو واپس کردیئے جائیں" مسٹر جانسن نے بھی اِس تحریک کی پُرزور تائید کی۔ مگر جب گورنر جنرل کی کونسل نے مجلس نظما سے اُس کی نسبت استفسار کیا تو اُنہوں نے مسٹر جانسن کو نشانہ ملامت بنایا اور ۱۷۸۵ء میں مسٹر جانسن کو بھی اِس جرم کی پاداش میں خدمت سے علٰحدہ کردیا گیا۔

بالآخر بحیثیت سفیر جب میر عالم کلکتہ پہونچے تو تصفیہ یہ ہوا کہ سرکار نظام کی پیشکش کی رقم سڑسٹھ لاکھ انچاس ہزار تین سو تینتیس روپیے کمپنی کے ذمہ واجب الادا قرار پائی اور کمپنی نے سرکار نظام سے گنٹور کی سابقہ مالگذاری کا مطالبہ بسالت جنگ کی وفات ۵ ستمبر ۱۷۸۲ء سے اُس کی واپسی کی تاریخ ستمبر ۱۷۸۸ء تک کیا جس کی مجموعی رقم اٹھاون لاکھ بتیس ہزار چھ سو سڑسٹھ روپیے۔ پانچ آنے قرار دیگئی۔ اول الذکر رقم سے سابق الذکر رقم کو منہا کرنے کے بعد کمپنی کے ذمہ جو رقم واجب الادا قرار پائی وہ نو لاکھ سولہ ہزار چھ سو پینسٹھ روپیے گیارہ آنہ تھی اِس طور پر میر عالم کی

سفارت کامیاب ثابت ہوئی اور تمام جھگڑوں کا تصفیہ ہو گیا۔[۱۲]

۷ر جولائی ۱۷۸۹ء کو لارڈ کارنوالس نے نواب نظام علیخاں بہادر کی خدمت میں ایک خط بھیجا اور اپنی مجبوری کا اظہار کیا کہ قانون پٹ ۱۷۸۴ء کی وجہ سے وہ کسی ریاست کے ساتھ جدید معاہدہ کرنے سے مجبور ہے اور اطمینان دلایا کہ حکومت برطانیہ کے ذمہ اس خط کی پابندی ایک باقاعدہ عہد نامہ کے مساوی سمجھی جائیگی۔[۱۳]

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ۵ ر مارچ ۱۷۹۲ء کو پارلیمنٹ میں ایک تحریک پیش ہو کر اس خط کو ایک معاہدہ کی حیثیت دیگئی۔

اس طویل خط میں لارڈ کارنوالس نے اپنی اور سرکار نظام کی دوستی و اتحاد اور دیگر اہم معاملات کا ذکر کرتے ہوئے ۱۷۶۸ء کے عہد نامہ کی دفعہ ششم کی خاص طور پر توضیح اور تشریح یہ بیان کی کہ "جب کبھی سرکار نظام طلب کریں تو فوج بھیجی جائیگی۔ بشرطیکہ اس فوج سے کسی ایسی ریاست کے خلاف کام نہ لیا جائے جو کمپنی کی حلیف ہو" اور حلیفوں کے نام حسب ذیل تھے۔ پنڈت پردھان پیشوا، راگھوجی بھونسلے، مادھوجی سندھیا اور دوسرے مرہٹے سردار، نواب ارکاٹ، نواب وزیر والی اودھ، راجہ ٹراونکور، اور راجہ تنجور اس تشریح کے بعد تعلقات کی نوعیت میں فرق آگیا اور دونوں حکومتوں میں مستحکم اتحاد قائم ہو گیا۔ فوج کے استعمال کے متعلق جو رکاوٹیں تھیں وہ

[۱۲] Our Faithful Ally the Nizam. P. 57

[۱۳] Auber's Rise and Progress of Br. Power in India Vol. II. P 66

رفع ہوگئیں۔ سرکار نظام اِس فوج سے ہر وقت حسب دلخواہ کام لے سکتے تھے بشرطیکہ مذکورۂ بالا ریاستوں کے خلاف اِس فوج سے کام نہ لیا جائے۔ اِس خط میں جو نام کارنوالس نے کمپنی کے حلیفوں کے لکھکر آصفجاہ ثانی کے پاس بہیجے تھے ٹیپو سلطان کا نام درج نہ ہونا اور میسور کے خلاف باوجود ۱۷۸۴ء کے عہدنامۂ صلح کے برقرار رہنے کے جارحانہ اتحاد قائم کرنا یہ ایسی باتین تہین کہ جو ٹیپو سلطان کے لئے نہ صرف باعث اشتعال بلکہ باعث خطرہ بھی تہیں اور یہی وہ اسباب تھے جو دراصل میسور کی آئندہ جنگ کا باعث ہوئے[۱۲]

Malcolm's Political History of India Vol. I. P. 55-56 [۱۲]

Foot note P. 53.

(کارنوالس کے زمانہ میں اتحاد ثلاثہ۔ میسور کی تیسری جنگ اور اُس کے نتائج۔

اتحاد ثلاثہ پر عمل اور اُس کی ناکامی)

ٹیپو سلطان کو انگریزوں سے گو نفرت تھی لیکن عہد نامہ منگلور (۱۷۸۴ء) کے بعد سے اُس نے کوئی ایسا کام نہیں کیا تھا جس سے انگریزوں کو شکایت کا موقع ملتا۔ یہ کارنوالس کی ہی زیادتی تھی کہ قانون پٹ مجریہ ۱۷۸۴ء کے مطابق جب وہ باضابطہ نواب آصفجاہ ثانی سے کوئی معاہدہ نہ کرسکا تو اُس نے اِس قانون کے منشار کے خلاف ۷ جولائی ۱۷۸۹ء کو ایک خط کے ذریعہ آصفجاہ ثانی سے یہ قرارداد طے کی کہ میسور کے شمالی اضلاع پر قبضہ کرنے میں انگریز نواب موصوف کی مدد کرینگے یہ فعل ایسا تھا کہ جس سے صلحنامہ منگلور کی صریح خلاف ورزی ہوتی تھی۔ اور کارنوالس کا یہ طرز عمل گرانٹ ڈف کی تحریر کے مطابق "علانیہ معاہدہ جنگ کرنے سے بھی زیادہ قابل اعتراض تھا"۔ [1]

علاوہ ازیں اِس خط میں کمپنی کے حلیفون کے جو نام درج تھے اُن میں مرہٹے تو شامل تھے لیکن ٹیپو سلطان کو عمداً نظر انداز کر دیا گیا تھا جس کی وجہ سے

[1] Grant Duff's History of the Marathas Vol. III. P. 43

یہ خط ٹیپو سلطان کے مزید اشتعال کا باعث ہوا۔ ان تمام اشتعال انگیز واقعات کے باوجود ٹیپو سلطان خون کا گھونٹ پی کر خاموش ہو رہا اور آصفجاہ ثانی کی طرف سے بھی لڑائی کی ابتدا نہیں ہوئی لیکن جب اُسی زمانہ میں ٹراونکور کے راجہ نے میسور کی سرحد پر جنگی استحکامات بنوائے اور ولندیزوں نے وہ قلعے خرید لئے جو حکومت میسور کی سیادت میں تھے تو اُس پر ٹیپو سلطان نے راجہ کو تنبہ کیا اور اُن باغی مجرموں کو حوالے کر دینے کا مطالبہ کیا جو میسور کے علاقے سے بھاگ کر ٹراونکور میں جا چھپے تھے لیکن راجہ نے ان مراسلات کی کوئی پروانہ کی اس لئے ٹیپو سلطان نے بگڑ کر اُس پر فوج کشی کی اور اس کا مشرقی علاقہ پامال کر ڈالا۔ ٹراونکور کا راجہ انگریزوں کا حلیف تھا۔ اس پر حملہ کا ہونا کارنوالس کے لئے اعلان جنگ کرنے کا معقول عذر بن گیا کیونکہ وہ تو جنوبی ہند کی آزاد اور خطرناک سلطنت میسور کو پامال کرنے پر پہلے ہی سے تلا بیٹھا تھا حالانکہ اس موقع پر خود ٹیپو سلطان اس بات پر بھی آمادہ تھا کہ ٹراونکور کے متعلق انگریزوں سے مصالحانہ گفتگو اور اپنے حملے کے وجوہ بیان کرے۔ مگر اُس کے ان خطوط پر کوئی لحاظ نہیں کیا گیا اور بالآخر فروری ۱۷۹۰ء کو جنگ کا اعلان ہو گیا۔

میلکم نے اس اعلان جنگ کی توجیہ عجیب و غریب طور سے کی ہے۔ وہ کہتا ہے "گو اس وقت ٹیپو سلطان نے بظاہر ہماری حکومت (برطانیہ) یا متحدین کے خلاف کسی دشمنی کا اظہار نہیں کیا تھا۔ لیکن اُس کا طرز عمل اس قسم کا ہو گا جب تو لارڈ کارنوالس کو یہ یقین ہوا کہ ٹیپو سلطان ہمارے خلاف

کارروائیاں کرنا چاہتا ہے اور ہم نے حفظ ما تقدم کے طور پر سرکار نظام سے اس قسم کا عہد نامہ کیا[۴] بہرکیف ٹیپو سلطان کے ٹراونکور پر حملہ آور ہونے کے جملہ واقعات پر غور کرنے کے بعد مجلس نظامی کی بھی وہی رائے ہوئی جو کارنوالس کی تھی کہ راجہ ٹراونکور کی حمایت میں میسور پر ضرور حملہ کیا جائے[۵]۔

اتحاد ثلاثہ بالآخر ٹیپو کے خلاف جون ۱۷۹۰ء کو کمپنی سرکار نظام اور مرہٹوں کے درمیان جارحانہ اور مدافعانہ اغراض کے لئے معاہدہ ہوگیا[۶] اور ان تینوں ریاستوں نے یہ طے کیا کہ پچیس[۲۵] ہزار سواروں کی ایک فوج بارش سے قبل اور بارش کے زمانہ میں ٹیپو کے شمالی علاقوں کو فتح کرے اور بارش کے بعد تینوں متحدین ٹیپو کے خلاف اپنی انتہائی کوشش صرف کریں ان فتوحات سے جو علاقہ حاصل ہو وہ مساوی طور پر تینوں متحدین میں تقسیم کیا جائے مگر متحدین کے میدان جنگ میں آنے سے قبل انگریز جو علاقہ فتح کریں وہ علاقہ انگریزوں کے پاس ہی رہے گا تقسیم نہیں ہوگا پیشوا اور سرکار نظام کے ماتحت زمیندار اور پالیگار اپنی جائدادوں کی بحالی کے وقت جو نذر پیش کریں وہ نذریں متحدین میں مساوی طور پر تقسیم ہوں گی۔ لیکن اس کے بعد وہ صرف پیشوا یا سرکار نظام کے خراج گزار خیال کئے جائینگے اور جنگ کے خاتمہ پر صلح متحدین کے مشورے سے ہوگی"

---

[۴] Malcolm's Political History of India Vol. I. 84

[۵] Auber's Rise and Progress of Br. Power in India Vol. II. 116

[۶] Our Faithful Ally the Nizam P. 40

"صلح کے بعد اگر ٹیپو متحدین میں سے کسی پر حملہ آور ہو تو دوسروں کا یہ فرض ہوگا کہ وہ متحد ہو کر ٹیپو کا مقابلہ کریں"[الف] میسور کے خلاف اتحاد ثلاثہ قائم کرنے سے انگریزوں کا مقصد تو ٹیپو سلطان کی قوت کا خاتمہ کرنے کا تھا کیونکہ وہ حکومت مدراس کے لئے ہمیشہ خطرہ کا باعث تھی[ب] چنانچہ جنرل میڈوس نے حکومت مدراس کا جائزہ حاصل کرتے ہی بتاریخ ۳۱ مارچ ۱۷۹۰ء مجلس نظار کو جو خط بھیجا ہے اس میں یہ لکھا تھا کہ جنگ تو ہر صورت میں لازمی ہے اور اس کے لیے بہترین موقع یہی ہے جبکہ فرانسیسی ٹیپو کو مدد دینے سے اس وقت قاصر ہیں اور سرکار نظام اور مرہٹے ہمارے ساتھ شریک ہیں[ج] لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مرہٹوں اور سرکار نظام کے اس اتحاد ثلاثہ میں شریک ہونے کا کیا مقصد تھا۔ مرہٹوں کی شرکت کا مقصد سلطنت میسور کا خاتمہ کرنے کا نہ تھا بلکہ اس کو کمزور حالت میں قائم رکھ کر دریائے کرشنا اور تنگبھدرا کے درمیان کے ان علاقوں کو حاصل کرنے کا تھا جنکو حیدر علی نے فتح کر کے سلطنت میسور میں شامل کر لیا تھا چنانچہ اسی بنا پر نانا فرنویس بھی اس اتحاد ثلاثہ میں شامل ہو گیا تھا[د] آصفجاہ ثانی کا مقصد اس جنگ میں کمپنی کے ساتھ شریک ہونے سے یہ تھا کہ مرہٹوں کے خطرہ سے نجات ملے[ہ]

[الف] Grant Dnff's History of the Marathas Vol. III. P. 44

[ب] Kincaid's History of the Maratha people Vol. III 153

[ج] AabeRs Rise and Progress of Br. Power in India Vol. II. P 107

[د] Kineaid's History of the Maratha people VoB III. P 154 & 158

[ہ] Our Faithful Ally the Nizam P 43

چنانچہ دربار دکن کے رزیڈنٹ کی مراسلت سے اِس حقیقت پر کافی روشنی پڑتی ہے کہ دوران گفت وشنید میں سرکار نظام ہمیشہ مرہٹوں کی طرف سے بے اطمینانی اور شبہ ظاہر کرتے رہے اور ایک موقع پر تو رزیڈنٹ سے یہ صاف طور پر دریافت بھی کیا کہ "اگر حیدرآباد کی فوجیں کمپنی کی امداد کے لئے چلی جائیں اور اُن کے غیاب میں ٹیپو کی تحریک پر پیشوا نے حیدرآباد پر حملہ کیا تو اُس وقت کمپنی کیا کرے گی"؟ رزیڈنٹ نے جواب دیا کہ "اعلیحضرت کی حفاظت کی خاطر کمپنی اپنی قوت قربان کر دے گی"[ف] اِس اطمینان کے باوجود آصفجاہ ثانی نے اِس امر کی کوشش کی کہ عہدنامہ میں ممالک محروسہ کی حفاظت اور ضمانت کے متعلق ایک خاص دفعہ بڑھا دی جائے لیکن گورنر جنرل نے یہ جواب دیا کہ "یہ بات مرہٹوں کی ناراضگی کا باعث ہوگی جس کی وجہ سے اتحاد ثلاثہ کا مقصد فوت ہو جائے گا" بعدازاں گورنر جنرل نے رزیڈنٹ حیدرآباد کے توسط سے آصفجاہ ثانی کو یقین دلایا کہ "آیندہ کسی مناسب موقع پر اِس مقصد کی بھی تکمیل ہو جائے گی۔ اور موجودہ عہدنامہ میں ایک دفعہ یہ بڑھا دی جائے گی کہ اگر متحدین میں سے کسی دو فریق میں اختلاف پیدا ہو، تو تیسرا فریق اپنی پوری کوشش صرف کرکے اُن کے آپس میں تصفیہ کرا دیگا" چنانچہ بذریعہ مراسلہ مورخہ ۲۱ اپریل سنہ ۱۷۹۰ء کارنوالس نے رزیڈنٹ حیدرآباد کو ہدایت کی کہ وہ سرکار نظام اور اُن کے وزرا کو اطمینان دلائیں کہ اگر کوئی ایسا موقع پیش آجائے

ف "The Company ought to sacrifice their all in your Highness' defence." Malcolm's P. 60.

تو گورنر جنرل سرکار نظام کو کسی قسم کا نقصان یا تکلیف نہ پہونچنے دیگا" غرض سرکار نظام کے ساتھ کارنوالس کی پالسی یہی رہی کہ اُس نے نہ صرف اپنے وعدہ کی پابندی کا ہر طرح اطمینان دلایا بلکہ ٹیپو سلطان کے خلاف جارحانہ اور مدافعانہ اتحاد کرنے میں دیرپا اور عظیم الشان فوائد کے سبز باغ دکھائے اسطرح کارنوالس نے حیدرآباد کے سب سے زبردست خطرہ کی مدافعت یعنی سلطنت کو مرہٹوں کی ضرر رسانی سے بچانے کی ضمانت اپنے ذمہ لی۔[۱۰]

جنگ میسور ۱۷۹۱ء - جب لڑائی شروع ہوئی تو آصفجاہ ثانی نے اپنی بہترین سپاہ پیدل اور سوار وقتاً فوقتاً روانہ کی چنانچہ تقریباً دو ہزار پیادہ اور بارہ ہزار سوار اور توپ خانہ وغیرہ جملہ چودہ ہزار سے زیادہ تعداد میں سرکار عالی کی فوج سیرنگا پٹم کی مہم کے لئے مختلف سپہ سالاروں مثلاً اسد علی خاں اور راجہ تیج ونت کی ماتحتی میں بھیجی گئی۔[۱۱]

بعد ازاں مزید کمک آصفجاہ ثانی کے دوسرے بیٹے شہزادہ سکندرجاہ کی ماتحتی میں حیدرآباد سے بھیجی گئی جنکے ہمراہ وزیر دکن مشیر الملک اعظم الامرا اور دربار دکن کے برطانوی رزیڈنٹ سرجان کینوے بھی تھے اس کے علاوہ خود آصفجاہ ثانی بھی حیدرآباد سے روانہ ہوکر قلعہ پانگل میں قیام فرما ہوئے۔[۱۲]

[۱۰] Malcolm's Political History of India Vol. I. P. 63

[۱۱] Major Dirom's Narrative 1792 page 2

[۱۲] تاریخ گلزار آصفیہ صفحہ ۲۰۸۔

متحدین کی فوجوں میں علاوہ سرکار نظام اور مرہٹوں کی فوجوں کے تینوں احاطوں یعنی۔ بنگال، مدراس اور بمبئی کی فوجیں بھی شامل تھیں جو بہترین سپہ سالاروں کے تحت تھیں۔ میمنہ میجر جنرل میڈوس کے تحت تھا قلب خود لارڈ کارنوالس اور کرنل اسٹوارٹ کے زیر کمان تھا برخلاف اس کے ٹیپو سلطان کی فوج کے ہندوستانی اور فرانسیسی سپاہیوں نے اس موقع پر کوئی خاص بہادری نہیں دکھائی اور جب ٹیپو سلطان کے پایہ تخت سرنگا پٹم کا محاصرہ ہوکر رسد کے ذرائع منقطع ہو گئے تو اس سے ٹیپو کی پریشانی اور بڑھ گئی کیونکہ متحدین کی فوجوں کے لئے تو ہندوستان کے ہر حصہ سے رسد پہنچنی ممکن تھی چنانچہ سرکار نظام کی فوجوں کی رسد حیدرآباد سے اور مرہٹوں کی رسد اُن کے ملک سے آتی تھی[۱۳۴] برخلاف اس کے ٹیپو سلطان کے لئے رسد کے دروازے بند تھے اور سرنگا پٹم کا محاصرہ اُٹھنے کی بھی کوئی توقع نہ تھی اس لئے مجبوراً ٹیپو نے صلح کی درخواست پیش کی[۱۳۵]

چنانچہ عہد نامہ صلح ۱۷۹۲ء کے ابتدائی دفعات حسب ذیل پیش کئے گئے۔

دفعہ ۱۔ جنگ سے قبل ٹیپو سلطان کی سلطنت کا جو رقبہ تھا اُس کا نصف متحدین کے حوالہ کیا جائے۔ اور جو علاقہ جس اتحادی کے ملک کے قریب ہو وہ اُس کو دیا جائے۔

دفعہ ۲۔ ٹیپو سلطان کو چاہیئے کہ سونے کی مہروں کی یا اشرفی کی صورت میں

---

[۱۳۴] دربار آصف (گلزار سوم) صفحہ ۸۲۔

[۱۳۵] Major Dirom's Narrative 1792. P. 231.

تین کروڑ تیس لاکھ روپیہ

جائیں اور ایک کروڑ پینسٹھ [illegible]

کا وقفہ چار ماہ سے زیادہ نہ ہونے پائے۔

دفعہ ۳ فریقین یعنی چاروں دول کے تمام قیدی جو حیدر علی کے زمانہ سے اب تک قید ہیں ایک دوسرے کو واپس کر دئے جائیں۔

دفعہ ۴ عہد نامہ کی تکمیل ہونے تک ٹیپو سلطان کے تین بڑے بیٹوں میں سے دو بطور یرغمال رکھے جائیں۔

دفعہ ۵ جس وقت ٹیپو سلطان کے بیٹے اس عہد نامہ صلح پر سلطان کی دستخط لیکر کیمپ میں آئیں گے تو تینوں دول دستخط کر کے اس کا نسخہ سلطان کو بھیجدینگے۔ اُس وقت مخاصمت بند ہو جائے گی اور اتحاد اور دوامی دوستی کا عہد نامہ مرتب ہو گا۔[۱۵]

چنانچہ تکمیل شرائط کے لئے ٹیپو سلطان نے اپنے دو بیٹے بھیجے جن میں ایک عبد الخالق نامی دس سال کی عمر کا تھا اور دوسرا معز الدین سات سال کا تھا[۱۶] اور تین کروڑ تیس لاکھ روپیہ بھیجنے کا وعدہ کیا جس میں سے پہلی قسط اسیوقت نقد ایک کروڑ پچاس لاکھ روپیہ کی بھیجدی[۱۷]

ٹیپو سلطان کی سلطنت کی کل آمدنی دو کروڑ ۳۷ لاکھ روپیہ قرار دی گئی

---

۱۵ Major Dirom's N rrative 1792. P

۱۶ حدیقۃ العالم جلد دوم صفحہ ۴۰۶۔ اور۔ تحفۃ العالم صفحہ ۱۰۰۔

۱۷ Kincaid's History of the Maratha people Vol. III. P. 133
تزک آصفیہ صفحہ ۱۵۴۔

مالی رو سے ہر ایک کو سات کرے

پیش امن کا علاقہ ملا۔

چنانچہ مرہٹوں کو ضلع بلاری اور دریائے کرشنا اور دریائے تنگبھدرا کے درمیانی مغربی اضلاع ملے انگریزوں کو ملیبار کا ساحلی حصہ۔ ڈنڈگل بارہ محل اور کورگ کا علاقہ ملا گوٹی کڑپہ اور دریائے کرشنا اور تنگبھدرا کے درمیانی شرقی اضلاع سرکار نظام کے ہاتھ آئے جنکی تفصیل حسب ذیل ہے۔

"کنج اندر گڈھ معہ قلعہ ملبہاری و موکھا و چند پرگنات آن نواحی از تا ڈپتری تا دیم پلی و جیل نالہ۔ دہد ویل تا قلعہ کہم کلاں۔ و کنک گیری و کپل و گنجی کوٹہ و سدہوٹ"[۱۹]

اِن علاقوں کے ملنے سے فایدہ یہ ہوا کہ سرکار عالی کے حدود ایکطرف کپل اور دریائے تنگبھدرا سے اور دوسری جانب گنجی کوٹہ اور دریائے پنار سے مستحکم ہوگئے جسکی وجہ سے ٹیپو سلطان یا اُس کے خاندان کے مقابلہ میں آیندہ حیدرآباد اپنی آپ حفاظت کرنے کے قابل ہوگیا[۲۰]۔

"اِس شاندار فتح" سے خواہ کتنے ہی "شاندار نتائج" اور فوائد کیوں نہ حاصل ہوئے ہوں لیکن جن خاص مقاصد کی تکمیل کے لئے "اتحاد ثلاثہ" کا وجود عمل میں آیا تھا اُس میں ناکامی ہوئی۔

---

۱۸ Major Dirom's Narrative 1792. P. 238

۱۹ Kincaid's History of the Maratha people Vol. III. P. 153

تزک آصفیہ صفحہ ۵۰۲۔

۲۰ Major Dirom's Narrative 1792. P. 272.

صرف اِس حد تک اتحاد ثلاثہ کامیاب رہا کہ متحدین نے آغاز جنگ سے عہد نامہ صلح تک جنگ کے نازک موقعوں پر یکجہتی اور اتفاق سے کام لیا مرہٹوں کی جانب سے ہری پنت اور آصفجاہ ثانی کی طرف سے شہزادہ سکندر جاہ، وزیر دکن اعظم الامراء اور میر عالم سے ہر معاملہ میں مشورہ لیا گیا اور اُنہوں نے بھی لارڈ کارنوالس پر اعتماد کلی رکھکر اپنی رضامندی ظاہر کی کہ لارڈ کارنوالس کو اختیار ہے کہ وہ چاہیں تو محاصرہ جاری رکھیں یا ٹیپو سلطان سے صلح کریں چونکہ اتحادیوں میں سے بالخصوص مرہٹے یہ نہیں چاہتے تھے کہ سلطنت میسور بالکل فنا ہو جائے اِسی بنا پر کارنوالس نے ٹیپو سلطان کو مغلوب کرنے کے بعد اس سے صلح کر لی[۱۲۱] مگر جنرل میڈوس صلح کا مخالف تھا اِس لئے اُس نے خودکشی کے ارادہ سے خود کو مجروح کر لیا[۱۲۲]

اِس جنگ کے فوائد کے سلسلہ میں یہ بات کہی جاتی ہے کہ "اِس جنگ کی وجہ سے ٹیپو کے وسائل اتنے گھٹ گئے اور اُس کے ملک کا رقبہ اتنا کم رہ گیا کہ آئندہ کے لئے اس کا خطرہ باقی نہ رہا اور اِس طرح ٹیپو کی قوت کم ہو جانے سے جزیرہ نما کی ہندوستانی ریاستوں میں توازن قوت قائم ہو گیا[۱۲۳]"

"مزید برآں برطانوی مقبوضات میں اضافہ اور استحکام ہونے کی وجہ سے جنوبی ہند کی ریاستوں میں امن وامان اور ترقی کے ذرائع پیدا ہو گئے

۱۲۱ Kincaid's History of the Maratha people Vol. III. P 153

۱۲۲ حدیقۃ العالم جلد دوم صفحہ ۴۰۶-۱۰

۱۲۳ Major Dirom's Narrative 1792. P. 273

اور آیندہ امن و امان میں خلل واقع ہونے کا اندیشہ جاتا رہا۔[۲۴]

ایک اور بات یہ بھی کہی جاتی ہے کہ " اتحاد ثلاثہ اور صلحنامہ سری رنگاپٹم کی وجہ سے ہندوستانی سیاسیات کی متزلزل حالت میں ایک طرح کا استحکام پیدا ہوگیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عوام الناس کی بہبودی اور خوشحالی کے اسباب پیدا ہوگئے۔ توازن قوت قایم ہونے اور اُس کی اصلی قوت کم ہوجانیکی وجہ سے اب ٹیپو اس قابل نہیں رہا کہ انگریزوں اور اُن کے اتحادیوں کی یکجہتی میں خلل انداز ہوسکے اور خود اتحادیوں میں سرکار نظام اور مرہٹوں پر بھی ایسی رکاوٹیں اور بندشیں عائد ہوگئیں کہ اس کے بعد عرصہ دراز تک اُن کو ایک دوسرے کے خلاف اپنی طمع و حرص کو کام میں لانے کا کوئی موقع باقی نہ رہا۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ ہندوستانی ریاستوں کے معاملات میں اب انگریزوں کی حیثیت ایک ثالث کی قرار پاگئی"[۲۵]

مگر حقیقت یہ ہے کہ صلحنامہ سری رنگاپٹم کے بعد ہندوستان کے مستقبل کیلئے مندرجہ بالا جو دل خوش کن امیدیں قایم کی جارہی تھیں وہ پادر ہوا ثابت ہوئیں۔ چنانچہ اِس عہدنامہ کے صرف تین سال بعد ہی " اتحاد ثلاثہ " کے ایک اساسی رکن اور " توازن قوت " میں برابر کے شریک یعنی نواب آصفجاہ ثانی پر اتحاد ثلاثہ اور توازن قوت کے دوسرے ایک رکن یعنی مرہٹوں نے حملہ کرکے اُن کو شکست فاش دی حالانکہ اس وقت دربار دکن میں

---

[۲۴] Major Dirom's Narrative 1792. P 273

[۲۵] Col Wood's Review of the Late War in Mysore 1798 P. 2

انگریزی رزیڈنٹ اور انگریزی فوج موجود تھی اور اس سے قبل کارنواس نے حیدرآباد کی حفاظت کا ذمہ بھی لیا تھا لیکن سرجان شور نے عدم مداخلت کے مسلک پر عمل کر کے نہ صرف مرہٹوں کو طاقتور ہونے کا موقع دیا۔ بلکہ اپنے ایک حلیف کو شکست دلوائی۔ اس طور پر توازن قوت کا بالکل خاتمہ ہوگیا۔

اتحاد ثلاثہ کا دوسرا مقصد یہ تھا کہ ٹیپو سلطان کی بڑھتی ہوئی طاقت پر ایک ضرب کاری لگائی جائے۔ اس میں بھی زیادہ کامیابی نہیں ہوئی[۲۶] کیونکہ جب اتحاد ثلاثہ کے دو اراکین کی حالت یہ دیکھی گئی کہ ایک نے دوسرے پر حملہ کیا ہے تو اس موقع کو غنیمت سمجھکر ٹیپو سلطان نے جس کے خلاف یہ اتحاد ثلاثہ عمل میں آیا تھا فوجی تنظیم اور جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں[۲۷]

اس طرح اتحاد ثلاثہ کے ایک رکن یعنی حیدرآباد کو شکست دیکر مرہٹوں کے زیادہ طاقتور ہو جانے اور ساتھ ہی ٹیپو سلطان کے طاقتور ہو کر جنگی تیاریاں شروع کرنے سے اتحاد ثلاثہ کے جو اساسی اصول تھے وہ غارت ہوگئے۔ نہ کوئی توازنِ قوت باقی رہا اور نہ ٹیپو کی قوت میں کسی قسم کی کمی آئی جس کا آخر کار نتیجہ یہ نکلا کہ کارنواس کے ہندوستان سے جانے کے تھوڑے ہی عرصہ بعد اتحاد ثلاثہ کی ناکامی بالکل ظاہر ہوگئی۔

---

[۲۶] Colwood's Review of the late War in Mysore 1798 P.3
[۲۷] Ibid P 7..

نواب نظام علیخاں بہادر کے ابتدائی عہد حکومت ۱۷۶۱ء سے ۱۷۹۵ء تک مرہٹون کے ساتھ حیدرآباد کے تعلقات۔ ۱۷۹۵ء میں مرہٹوں کا خطرہ۔ سرجان شور کی ناعاقبت اندیشی کمپنی کی بیوفائی، کھرڈلا کی لڑائی اور اُس کا اثر حیدرآباد اور کمپنی پر۔

سلطنت آصفیہ اور مرہٹوں کے درمیان ابتدا سے جس قسم کے تعلقات قائم رہے وہ عجیب و غریب ہیں موجودہ یورپ کی تاریخ میں فرانس اور جرمنی کے پچھلی نصف صدی کے تعلقات مرہٹوں اور حیدرآباد کے اُن دنوں کے تعلقات سے کسیقدر مشابہ ہوں تو ہوں ورنہ دوسرے ممالک کی تاریخ میں اِس قسم کی مثالیں ملنی مشکل ہیں۔ اِن یورپین ممالک کے تعلقات کا خلاصہ یہ ہے کہ فرانس کی تیسری جمہوریہ کی ابتدا ۱۸۷۱ء سے لیکر ۱۹۲۰ء تک اِس کامل نصف صدی کے عرصہ میں فرانس کو ہمیشہ اپنے ہمسایہ دشمن یعنی جرمنی کا خطرہ لگا رہا۔ اور ساتھ ہی آئے دن اُس کی یہی کوشش رہی اور اُس کی خارجی حکمت عملی کا خاص مقصد یہی رہا کہ پچھلی لڑائیوں میں جو علاقے دشمن (یعنی جرمنی) کے قبضہ میں چلے گئے ہیں اُن کو پھر حاصل کیا جائے۔ اِس کے لئے فرانس نے

کبھی تو اپنی طاقت بڑھانیکی کوشش کی اور کبھی دوسرے دول سے اتحاد قائم کیا۔

اسی قسم کی صورت ایک صدی سے زیادہ عرصہ ہوا کہ سلطنت آصفیہ کیلئے پیش آتی رہی۔ بانی سلطنت نواب نظام الملک آصفجاہ اول کی زندگی ہی میں مرہٹوں کا خطرہ پیدا ہو چکا تھا۔ ۱۷۴۸ء کے بعد سے تقریباً نصف صدی تک ہر لڑائی میں باستثناء اُس حملہ کے جو ۱۷۶۱ء میں مرہٹوں پر کیا گیا۔ سلطنت حیدرآباد کو مرہٹوں کے ہاتھوں یا تو مالی خسارہ اُٹھانا پڑا یا ملک کا کوئی نہ کوئی حصہ اُن کے حوالہ کرنا پڑا۔[۱]

اس لئے ابتداء سے نواب آصفجاہ ثانی کی کوشش یہی رہی کہ "بقیہ ملک کو کسیطرح مرہٹوں کی دست بُرد سے بچایا جائے اور اگر ممکن ہو تو وہ علاقے بھی مرہٹوں سے حاصل کرلئے جائیں جو اُن کے قبضہ میں چلے گئے ہیں"۔ یہی وہ خاص مقصد تھا۔ کہ جس کو پیش نظر رکھ کے آصفجاہ ثانی نے ہمیشہ مرہٹوں کے خلاف کسی نہ کسی طاقت کو اپنے ساتھ ملانیکی کوشش کی یا مصلحت وقت سمجھکر خود مرہٹوں کے کبھی ایک فریق کی تائید کی اور کبھی دوسرے فریق کا ساتھ دیا۔ چنانچہ تخت نشین ہوتے ہی آصفجاہ ثانی نے مرہٹوں کے معاملات میں مداخلت کی اور مادھوراؤ پیشوا کے خلاف اُس کے چچا رگھوناتھ راؤ کی تائید میں روانہ ہوئے۔ پیشوا کو شکست ہونیکے بعد صلح ہوگئی اور آصفجاہ ثانی سے رگھوناتھ راؤ نے بمقام پرگاؤن اِس امداد کے معاوضہ میں معاہدہ کیا کہ عہدنامہ اوگیر کی بموجب جو ملک مرہٹوں کے پاس چلا گیا ہے اُس میں سے دولت آباد۔ سینور۔ احمد نگر اور قلعہ سیر کے (۵۱) لاکھ روپیہ

[۱] The Nizam by Macauliffe. P. 33.

سالانہ آمدنی کے علاقے واپس دئے جائینگے[۱] ابھی یہ معاملات طے نہ ہونے پائے تھے کہ راجہ پرتاب ونت دیوان آصفجاہی نے اُس کو اُلٹ دیا۔ وجہ یہ تھی کہ یہ کارروائی اُس کے ذریعہ سے نہیں ہوئی تھی۔ اور بجائے اُس کے یہ تجویز پیش کی کہ رگھوناتھ راؤ کو معطل کیا جائے[۲] مزید براں راجہ پرتاب ونت نے راگھوجی بہونسلہ کے بیٹے جانوجی سے یہ وعدہ کیا کہ رگھوناتھ راؤ کی جگہ اُس کو دیجائیگی۔ اور اُس کو لکھا کہ فوراً چلے آئیے۔ اِس لئے اُس کے دوسرے سال ہی نواب آصفجاہ ثانی کو خود رگھوناتھ راؤ پر حملہ کرنیکی تیاریاں کرنی پڑیں[۳] وجہ یہ تھی کہ مرہٹوں کے جرگے سرکار عالی کے مختلف حصوں پر چھاپے مارتے تھے۔ لہٰذا اپنے دیوان راجہ پرتاب ونت کی تحریک پر ۱۷۶۳ء میں آصفجاہ ثانی سیدھے پونا کیطرف بڑھے رگھوناتھ راؤ اِس حال سے واقف ہوکر اُس کا ترکی بہ ترکی جواب دینے کے لئے حیدرآباد آپہونچا اور نواح حیدرآباد سے تقریباً دو لاکھ روپیہ وصول کرکے واپس ہوا۔ آصفجاہ ثانی کی فوج نے پونا کو لوٹ لیا۔ اِس کے بعد بیدر جانا چاہتے تھے کہ جانوجی بہونسلہ نے جو بظاہر آصفجاہ ثانی سے ملگیا تھا اورنگ آباد چلنے کی رائے دی[۴]

اِس کی اصلیت یہ تھی کہ اُسوقت تک عہدنامہ پرگاؤں کے شرائط پورے نہیں ہوئے تھے۔ اِس لئے رگھوناتھ نے درپردہ جانوجی بہونسلہ سے سازش

[۱] Kincaid's History of the Marutha people Vol. III P. 85.

[۲] دربار آصف صفحہ ۱۰۶ دگلزار سوم۔ [۳] سیر المتاخرین جلد سوم صفحہ ۹۱۷۔

[۴] حدیقۃ العالم۔ جلد دوم صفحہ ۲۰۱۔

کرکے اُس کو (۵۱) لاکھ روپیہ آمدنی کے علاقہ میں سے (۳۲) لاکھ کی آمدنی کا علاقہ دینے کا وعدہ کیا تھا[۵۶] اسی بنا پر جس وقت کہ آصفجاہ ثانی اپنی فوج لیکر دریائے گوداوری کو عبور کر چکے تھے۔ جانوجی نے غدّاری کی اور آصفجاہ ثانی کے وزیر راجہ پرتاب ونت جنھوں نے دریا کو ابھی عبور نہیں کیا تھا۔ اس غدّاری کی سازش کا شکار ہو کر ایک بڑی فوج سمیت مارے گئے[۵۷]۔

اورنگ آباد پہونچنے کے بعد آصفجاہ ثانی اور رگھوناتھ راؤ میں مصالحت ہوگئی جس کی رو سے بجائے (۵۱) لاکھ روپیہ آمدنی کے علاقہ کے صرف (۱۰) لاکھ روپیہ آمدنی کا علاقہ اور چار قلعوں میں سے صرف دولت آباد کا ایک قلعہ آصفجاہ ثانی کو واپس ملا۔ جانوجی بہونسلہ نے جو غداری کی تھی اُس پر آگ بگولہ ہوکر ۱۷۶۶ء میں آصفجاہ ثانی نے اُس کے خلاف پیشوا سے اتحاد کیا۔ ان دونوں نے بہونسلہ کے مقبوضات پر حملہ کرکے اُسے اِس بات پر مجبور کیا کہ "وہ اپنے اِس (۳۲) لاکھ کے علاقے میں سے جو اُس کو غدّاری اور سازش کا معاوضہ ملا تھا (۲۴ ½) لاکھ کا علاقہ اِن حملہ آوروں کے حوالہ کردے" جب اِس کی تکمیل ہوگئی تو اِس علاقہ کا (½) حصہ آصفجاہ ثانی کو ملا۔

بعد ازاں ۱۷۶۹ء میں پیشوا اور وزیر دکن رکن الدولہ نے جانوجی کے علاقہ پر حملہ کرکے اُس کو بقیہ (۸) لاکھ روپیہ کا ملک واپس کرنے کے لئے مجبور کیا۔ جو سرکار نظام اور پیشوا کے درمیان مساوی طور پر

---

۵۶ Aurangabad Gazetteer P 204 . . . .

۵۷ سوانح دکن (قلمی) ورق (۱۱۹)

تقسیم ہوگیا۔[8]

۱۷۷۲ء میں پیشوا مادھوراؤ کے فوت ہونے اور اُس کے بعد اُس کے بھائی نارائن راؤ کے دو سال تک پیشوا رہکر مارے جانے پر اُس کا چچا رگھوناتھ راؤ پیشوا مستقر ہوا۔ اِسپر مرہٹوں میں پھوٹ پڑگئی۔ چنانچہ بعض مرہٹہ سرداروں نے نانا فرنویس کی سرکردگی میں رگھوناتھ راؤ کے خلاف ایک سازش کی تھی جو "بارہ بھائیوں کا عہد و پیمان" کہلاتا ہے۔ اُس کا بانی مبانی تو نانا فرنویس ہی تھا۔ لیکن اِس میں تقریباً تمام مرہٹہ سردار شریک ہوگئے تھے۔ اِن کا منشا یہ تھا کہ نارائن راؤ متوفی کی بیوہ گنگا بائی کے ہاں جب لڑکا تولد ہو تو اُس کو پیشوا بنا کر ایک ایجنسی قائم کیجائے۔[9] اِس طرح وہ لوگ خود حکومت کا کام انجام دینا چاہتے تھے چنانچہ رگھوناتھ راؤ کے مخالف یعنی سا بھاجی بھونسلہ اور نواب آصفجاہ ثانی کو آمادہ کیا کہ راگھوبا کو تخت سے اُتارنے میں نواب آصفجاہ ثانی جو مدد دینگے اُس کے معاوضہ میں اُنہیں بعض علاقے پیش کئے جائینگے۔ جب راگھوبا کو یہ حال معلوم ہوا تو وہ گھبرا کر برہانپور چلا گیا۔ اور اُس کی جگہ نارائن راؤ مقتول کا ڈیڑھ ماہ کا بچہ سوائی مادھو نارائن راؤ پیشوا بنایا گیا۔[10] اِس طرح تمام معاملات طے ہوگئے نانا فرنویس نے اول تو اپنے وعدہ کو بالائے طاق رکھنا چاہا۔ لیکن آخر بمصلحتِ وقت سمجھکر اُس نے (۱۸) لاکھ روپیہ کی آمدنی کا علاقہ آصفجاہ ثانی کے حوالہ کیا۔

[8] Aurangabad Gazetteer. P 204 208

[9] Kincaid's History of the Maratha people Vol. III. P 109

[10] تاریخ ماہ نامہ (قلمی)، ورق ۱۱۴۔

اِن حالات کو دیکھکر رگھوناتھ راؤ نے سالسِٹ اور بسین دینے کا وعدہ کرکے ۱۷۷۵ء میں حکومت بمبئی سے امداد حاصل کی چنانچہ وارن ہیسٹنگز کے زمانہ میں حکومت بنگال اور حکومت بمبئی کی حماقتوں کی وجہ سے مرہٹوں کی پہلی جنگ میں انگریزوں کو اُلجھنا پڑا۔ مگر اس دوران میں آصفجاہ ثانی بالکل غیر جانبدار رہے[۱۱] بعد ازاں ٹیپو سلطان کے خلاف کارنوالس نے آصفجاہ ثانی اور مرہٹوں کو شامل کرکے جو اتحاد ثلاثہ قائم کیا اُس میں یہ دونوں برابر کے شریک تھے۔

جنگ کے اختتام پر ۱۷۹۲ء میں کارنوالس نے پھر اس امر کی کوشش کی کہ سرکار نظام اور پیشوا کے سابقہ عہد نامۂ اتحاد میں ٹیپو کے خلاف مزید باہمی محافظت اور کفالت کا عہد و پیمان ہوجائے۔ اِس شئے کے متعلق آصفجاہ ثانی نے تو اپنی رضامندی ظاہر کی لیکن مرہٹوں نے اُس کو نامنظور کیا۔ بعد ازاں آصفجاہ ثانی نے اس بات پر زور دیا کہ ”اگر ایک فریق اُس کے لئے آمادہ نہیں ہے تو مناسب یہی ہے کہ بقیہ دونوں فریق آپس میں اس قسم کا عہدہ نامہ کفالت (Treaty of Guarantee) کرلیں۔ یقین ہے کہ اس کے بعد دربار پونا پر اس کا اثر پڑے۔ اور وہ بھی اِس سے اتفاق کرلے“[۱۲]

لیکن آصفجاہ ثانی اور اُن کے وزیر اعظم الامراء کی ساری کوششیں بے سود ثابت ہوئیں کیونکہ اُس کے بعد کا زمانہ کارنوالس کے نااہل جانشین یعنی سر جان شور کا

---

۱۱ Aurangabad Gazetteer P 202 (Foot-note)

۱۲ Malcolm's Political History of India Vol. I. P. 123

سر جان شور کے گورنر جنرل ہونے کے ایک عرصہ پیشتر ہی سے چوتھ اور سردیس مکھی کے کئی سال کے بقایا کے متعلق حیدر آباد پر مرہٹوں کا تقاضا جاری تھا[۱۳] مرہٹے اس رقم کو بہت بڑھا کر بتاتے تھے اور حیدر آباد کو اس سے اختلاف تھا[۱۴]

بالآخر ۱۷۹۴ء میں مرہٹوں کی جانب سے گوئیند راؤ کالے نامی ایک ایلچی نے دربار دکن میں حاضر ہو کر دو کروڑ ساٹھ لاکھ روپیہ کے بقایا کا مطالبہ پیش کیا۔ اُس پر جو بحث ہوئی تو مشیر الملک اعظم الامراء نے یہ کہا کہ "نانا فرنویس کو بذات خود دربار حیدر آباد میں حاضر ہو کر اپنے پیچ در پیچ مطالبہ کی تشریح کرنی چاہیئے" ایلچی نے جواب دیا کہ "نانا فرنویس ان دنوں بہت مصروف ہیں وہ کیسے آسکتے ہیں" مشیر الملک نے دہرایا کہ "وہ کیسے آسکتے ہیں ہیں ابھی بتاتا ہوں کہ وہ حضور میں کیسے کھنچے چلے آتے ہیں" غرض فساد کا سواد تو پہلے ہی سے تیار تھا۔ اس دھمکی کو اعلانِ جنگ تصور کر کے فریقین نے جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں[۱۵] اور بالخصوص مرہٹوں کا طرز عمل زیادہ خطرناک ہوتا گیا۔ وجہ یہ تھی کہ ۱۷۹۴ء کے اوائل میں مادھو راؤ سندھیا کی موت کے بعد مرہٹوں کے پاس نانا فرنویس کا کوئی مدمقابل باقی نہیں رہا تھا۔ اور پیشوا اُس کے ہاتھ میں بالکل کٹ پتلی بنا ہوا تھا۔ اس لئے نانا فرنویس نے وسیع پیمانہ پر جنگ کی تیاریاں کرنی شروع کیں۔ اور تمام مرہٹہ

---

[۱۳] Grant Duff's History of the Marathas Vol III P.106

[۱۴] Malcolm's History of India P 127. . . . . . .

[۱۵] Grant Duff's History of the Marathas Vol. III P 210

سرداروں کو متحد کر لیا[16] چنانچہ ۱۷۹۴ء میں حیدر آباد کے رزیڈنٹ سر جان کینوے نے مستعفی ہوتے وقت اپنی جو رپورٹ کلکتہ کی حکومت اعلیٰ کو بھیجی تھی وہ دربار دکن اور کمپنی کے تعلقات کے متعلق نہایت دلچسپ اور پُر از معلومات ہے اِس میں سر جان کینوے نے یہ بات واضح کر دی تھی کہ "آصفجاہ ثانی کمپنی کے حقیقی دوست اور خیر خواہ ہیں۔ اور مرہٹوں کے ساتھ جس نوعیت کے تعلقات قائم ہیں وہ اُن کے بالکل خلاف مرضی ہیں[17]" لہذا اِس وقت انگریز سرکار نظام سے معاہدہ کر کے ہمیشہ کے لیئے اُن کے ملک کے مالک بن سکتے ہیں[18]"

سر جان شور کی ناعاقبت اندیشی اور کمپنی کی بیوفائی واقعہ یہ ہے کہ جدید معاہدہ کرنا تو کجا سابقہ عہد نامہ اتحاد کی بنا پر آصفجاہ ثانی نے انگریزوں کو لکھا کہ "اِن دِنوں (۱۷۹۵ء میں) مرہٹوں کا طرز عمل نہایت خطرناک ہوتا جا رہا ہے لہذا مرہٹوں کا خطرہ رفع کیا جائے۔" باوجود اِس کے کہ اُس زمانہ میں ہر اعتبار سے کمپنی کی حالت اتنی اچھی تھی کہ اُس سے پیشتر کبھی نہ تھی۔ اور سر جان شور کو اس بات کا بخوبی علم تھا کہ مرہٹے زیادتی کر رہے ہیں۔ اور اُن کا منشاء دراصل سلطنت حیدر آباد کو نیست و نابود کرنے کا ہے[19] مگر وہ مرہٹوں کے خوف سے کسی ایسے کام کے کرنے کے لئے تیار نہ تھا جس سے

---

[16] Kincaid's History of the Maratha People Vol III, P 171

[17] Report of Sir John Kenneway to the Supreme Govt Jan. 1794

[18] The Nizam by Macauliffe Page 27. . . . . . .

[19] Malcolm's Political History of India Vol I P. 130.

مرہٹوں کو آئندہ اشتعال یا حسد کا موقع ملے چنانچہ مرہٹوں کی مخالفت کے اندیشہ کی بنا پر اُس نے تمام سابقہ عہد و پیمان کو بالائے طاق رکھکر اپنے ایک حقیقی دوست کو مصیبت کے وقت امداد دینے سے انکار کر دیا۔ اور اپنی "عدم مداخلت" کی پالیسی کی تائید میں عجیب و غریب دلائل پیش کیں۔ چنانچہ ایک موقع پر فرمایا کہ "سرکار نظام جنگ کی جو تیاریاں کر رہے ہیں وہ اُن کی حفاظت کے لئے ضروری ہیں اور ممکن ہے کہ مرہٹے اُنہیں دیکھکر اپنے ارادوں سے باز آجائیں"[سلف]

اتفاق سے اُسی زمانہ میں ٹیپو نے مرہٹوں کا ساتھ دینے کا ارادہ ظاہر کیا تو گورنر جنرل نے اِس پر بھی غور کر کے یہی طے کیا کہ "کسی صورت میں سرکار نظام کی مدد نہ کیجائے" اور اُس کے واسطے جو وجوہ اُس نے پیش کیں وہ ۱۰ فروری ۱۷۹۵ء کی روئداد میں مفصل درج ہیں۔ پہلی وجہ یہ بیان کی کہ پارلیمنٹ کے قانون کی بنا پر ہم کسی ایسے معاملہ میں دخل نہیں دیسکتے جس کی وجہ سے ہم کو جنگ میں شریک ہونا پڑے۔ اِس لئے ہم سرکار نظام اور مرہٹوں کے تنازعہ میں کوئی حصہ نہ لیں گے۔ اگر ٹیپو جنگ میں شریک ہو جائے تو حیدرآباد کی طرف سے یہ بات پیش کیجائیگی کہ کمپنی و نیز مرہٹوں کو حیدرآباد کی مدد کرنی چاہیئے۔ لیکن معاہدہ کے فریقین میں سے جب ایک فریق خود ہی جنگ میں شریک ہو تو اُس کی ذمہ داری ہم پر کیسے آسکتی ہے؟ اِس معاملہ میں تین فریق شامل ہیں اور بہرحالتیں تینوں کو ملکر کام کرنا چاہیئے جبکہ ایک فریق

سلف Malcolm's Political History of India Vol. I. P. 131.

علیحدہ ہوگیا تو دوسرے پر بھی اُس کی پابندی لازم نہیں"[۲۱]

اِس کے جواب میں سرجان شور کو بتایا گیا کہ "۱۷۹۰ء میں جو معاہدہ ہوا تھا وہ کمپنی کے اعتبار پر کیا گیا تھا ورنہ حیدرآباد کو مرہٹوں پر کوئی اعتماد نہیں ہو سکتا تھا حیدرآباد نے کمپنی کی مدد ایسے وقت میں کی ہے جبکہ کمپنی اپنی مجبوریوں کی وجہ سے ہر شرط کو ماننے کے لیے تیار ہو جاتی اور علیحدہ معاہدہ کرنے پر بھی زور دیا جاتا تو اُس وقت کمپنی انکار نہیں کر سکتی تھی۔ اب اگر اتنی آسانی سے اُن تمام وعدوں کو فراموش کر دیا جائے تو آئندہ کمپنی کی کیا وقعت رہیگی"

دوسری وجہ سرجان شور نے یہ بیان کی کہ "اگر ٹیپو نے حیدرآباد پر حملہ کیا اور ہمنے سرکار نظام کی مدد کی تو ہم کو مرہٹوں سے بھی لڑنا پڑیگا۔ یہ بات "اتحاد ثلاثہ" کے منشا کے بالکل منافی ہے" اور یہ خیال بھی ظاہر کیا کہ "جب تک کہ دو فریق باہمی جنگ میں مشغول ہیں اُس وقت تک ۱۷۹۰ء کے معاہدہ کی پابندی لازم نہیں۔ لیکن جس وقت کہ لڑائی ختم ہو کر صلح ہو جائے تو ۱۷۹۲ء کا معاہدہ پھر برقرار رہیگا"[۲۲]

گورنر جنرل اس بات سے بھی واقف تھے کہ "اگر کمپنی اُس وقت سرکار نظام کی مدد نہ کرے تو ٹیپو اور مرہٹے ملکر سلطنت حیدرآباد کا خاتمہ کر دیں گے اور اُس کے بعد ان دونوں کی طاقت بہت بڑھ جائیگی۔ اور یہ دونوں کمپنی کے واسطے زبردست حریف ثابت ہوں گے۔ مگر اُس نے اِس خطرہ کو محض اپنی

---

[۲۱] Malcolm's Political History of India Vol I. P 134

[۲۲] Ibid. P. 134.

خوش خیالی سے اِس طرح رفع کیا کہ "ٹیپو اور مرہٹے جب مفتوحہ علاقہ تقسیم کرنے بیٹھنگے تو آپس میں لڑ پڑینگے اور اُن کو کمپنی پر حملہ کرنیکی مہلت ہی نہیں ملیگی۔"

اِس کے باوجود کیونکہ سرجان شور کو کمپنی کی وقعت و شہرت کا بہت خیال تھا۔ اِس لئے بیان فرمایا کہ "اگر آصفجاہ ثانی کو یون ہی اُن کی قسمت پر چھوڑ دیں تو ہندوستانیوں کی نگاہ میں کمپنی بہت گر جائیگی۔ اِس لئے سیاسی اہمیت کے لحاظ سے بھی کمپنی کو اپنی وقعت اور شہرت کو قائم رکھنا چاہیئے" لیکن خود ہی اس کو اِس طرح رد کیا کہ "اس کے مقابلہ میں تباہی کو مول لینا جو کہ اِس جنگ کا لازمی نتیجہ ہے۔ کوئی عقلمندی کی بات نہیں ہے"[۲۳] اور فرمایا کہ "ٹیپو کا منشا کسیطرح کمپنی کو تباہ کرنے کا ہے۔ اِس لئے ٹیپو ہو یا یورپ کی کوئی اور طاقت ہر ایک کے مقابلہ کے واسطے کمپنی کو جو مدد کہ مرہٹوں سے مل سکتی ہے۔ وہ حیدرآباد سے ممکن نہیں۔ کیونکہ حیدرآباد کی سلطنت خود کمزور حالت میں ہے"[۲۴]

لہذا معاہدہ اور قانون کی پابندی، سیاسی مصلحت و تحفظِ امن سب حیدرآباد کے خلاف ثابت ہوئے اور اُس حلیف کو جس نے مصیبت کے وقت کمپنی کی مدد کی تھی دشمن کے غیظ و غضب پر تباہ ہونے کے لئے تنہا چھوڑ دیا گیا۔

واقعات جنگ کھرڈلا۔ حیدرآباد پر حملہ کرنے کے لئے نانا فرنویس نے تمام مرہٹہ سرداروں کو متحد کیا تھا چنانچہ مادھو راؤ پیشوا۔ دولت راؤ سندھیا، راگھوجی بھونسلہ، تکاجی ہولکر، گوبند راؤ گائیکواڑ اور پرشو رام بھاؤ کے علاوہ دیگر مرہٹہ

---

[۲۳] Malcolm's Political History of India Vol. I. P. 138.

[۲۴] Ibid P 139. . . . .

سردار بھی اپنی اپنی فوجیں لیکر آئے تھے۔ اس طرح فوج کی مجموعی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ تھی اور یہ فوج پرشورام بھئو پٹوردہن کے زیر کمان تھی اور اُن کے ساتھ کوئی دس ہزار پنڈاری بھی شریک ہوگئے تھے اور بعض فرانسیسی افسر مثلاً پیرُوں وغیرہ بھی اُن میں شامل تھے[25]۔

حیدرآباد کی فوجوں نے بیدر سے آگے بڑھکر مرہٹوں کی فوجوں کا مقابلہ کیا۔ بعض فرانسیسی فوجیں اس جنگ میں سرکار نظام کیجانب سے لڑرہی تہیں اور خصوصاً اُن کا کمانڈر موسیو ریموں نمکخواری کا پورا حق ادا کر رہا تھا[26]۔ "قریب تھا کہ فتح حضرت کی ہو[27]" لیکن عین معرکہ جنگ میں بعض دغابازوں اور وطن فروشوں نے جن کو اعظم الامرا سے مخاصمت تھی مرہٹوں سے[28] کچھ روپیہ لیکر غدّاری کی۔ اور وقت پر جانثاران فوج کو کمک نہیں پہونچائی[28] جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آصفجاہ ثانی کو قلعہ کھرڑا میں پناہ گزیں ہونا پڑا۔ اِس قلعہ کے چاروں طرف پہاڑیاں تہیں اور اُن میں سے ایک طرف راستہ تھا جس پر مرہٹوں نے قبضہ کرلیا۔ اِس طور پر رسد وغیرہ کے تمام راستے بالکل بند ہوگئے جس کی وجہ سے سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ بالآخر تقریباً ایک ماہ تک محصور رہکر ہر طرح کے مصائب اُٹھانے کے بعد آصفجاہ ثانی کو مرہٹوں کے حسب منشا شرائط تسلیم کرنی پڑیں[29]۔

---

[25] Kincaid's History of the Maratha peop'e. V I. III. P 171
Grant Duff's P. 214.

[26] The Nizam by Macauliffe · Page 29 . . . .

[27] رشید الدین خانی صفحہ ۳۱۰۔ [28] تاریخ گلزار آصفیہ صفحہ ۸۴۔

[29] Dollingheirle [illegible]. نــ گرانٹ ڈف کا بیان ہے کہ محاصرہ دو ماہ تک جاری رہا۔

کھرلا کی لڑائی کا اثر۔ شرائط صلح کی تفصیل یہ ہے کہ سب سے پہلے جب مرہٹوں نے مطالبہ کیا تو "اعظم الامرا کو کہ بانی مبانی اس جنگ کے تھے حوالہ اہل پونا کے کیا گیا"[۱] بعد ازاں دولت آباد کا قلعہ اور دریائے تاپتی سے لیکر قلعہ پرندہ تک کا سارا علاقہ پیشوا کے لئے اور تین لاکھ سالانہ آمدنی کا علاقہ راگھوجی بھونسلہ کیلئے اس طرح کل (۳۵) لاکھ سالانہ آمدنی کا علاقہ مرہٹوں کے پاس چلا گیا۔ اخراجات جنگ اور بقایا وغیرہ کی رقم کی بابتہ تین کروڑ روپیئے پر معاملہ طے ہوا جس میں سے ایک کروڑ تو اسی وقت ادا کیا گیا۔ اور بقیہ سالانہ (۴۵) لاکھ روپیئے کے حساب سے دینے کا وعدہ کیا گیا[۲] اس طرح سر جان شور کی "بزدلانہ عدم مداخلت کی پالسی" کا نتیجہ حیدر آباد اور خود کمپنی کے لئے تباہ کن ثابت ہوا۔ کمپنی کی بیوفائی کی وجہ سے حیدر آباد کو اس جنگ میں اتنی زبردست ہزیمت اٹھانی پڑی کہ کم از کم چند دنوں کے لئے کھرلا کی اس شکست نے "اس کو ہندوستان کی ایک سر برآوردہ طاقت کی حیثیت سے گرا کر مرہٹوں کا باج گذار بنا دیا"[۳]

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابق) کنکیڈ او پارسنیز چٹینس بہاکر کا حوالہ دیکر لکھتے ہیں کہ محاصرہ صرف (۱۷) دن تک جاری رہا۔ (ملاحظہ ہو کنکیڈ صاحب کی تاریخ مرہٹہ جلد سوم صفحہ ۱۷۳) لیکن عالمگیری کا بیان ہے کہ محاصرہ ایک ماہ تک جاری رہا۔ غالباً موخر الذکر بیان ہی زیادہ صحیح ہے کیونکہ اس کی تصدیق فارسی تاریخ دلگزار آصفیہ صفحہ ۴۸ و ۵۵) سے بھی ہوتی ہے کہ ۱۱ شعبان ۱۲۰۹ھ سے محاصرہ شروع ہو کر ۹ رمضان تک یا تقریباً ایک ماہ جاری رہا۔ [۴] رشید الدین خانی صفحہ ۱۳۱۔

[۱] Grant Duff's History of the Marathas Vol. III. P. 115
[۲] Kincaid's History of the Martha people Vol III. P. 174
[۳] Owen's Despatches of Wellesley. P. LXXV.

اس کے بعد مرہٹوں کی قوت اتنی بڑھ گئی اور ہندوستان میں اُن کے نام کی دھاک ایسی بیٹھ گئی کہ اب وہ کسی کو خاطر میں نہیں لانے لگے تھے۔ حتیٰ کہ انگریزوں کی بھی وقعت اُن کی نظروں میں کم ہوتی گئی۔ چنانچہ مرہٹوں کی اِس دیدہ دلیری اور سلطنت حیدرآباد کی کمزوری کو دیکھکر ٹیپو سلطان کو بھی اچھا موقع ہاتھ آیا اور وہ کمپنی اور حیدرآباد سے انتقام لینے کے منصوبے سوچنے لگا۔ اِسیطرح "انگریزوں کی بھی غیر جانبداری نے اُن کے دونوں جنگجو رقیبوں (مرہٹے اور میسور) کی مائلِ پرخاش سرشت کو اور اُبھار دیا اُن کی درازدستیاں بڑھنے لگیں اور وہ انگریزوں کے لیئے بتدریج زیادہ خطرہ کا باعث ہوتے گئیں۔"[ملکه]

[ملکه] ہندی مملکت برطانیہ صفحہ ۲۵۵۔

(۱) انگریزون سے کشیدگی اور فرانسیسوں پر اعتماد (۲) شہزادہ عالیجاہ کی بغاوت (۳) موسیو ریموں کا دربار دکن میں رسوخ (۴) آصفجاہ ثانی کی علالت (۵) ۱۷۹۷ء میں وزیر دکن اعظم الامرا کی حیدرآباد کو واپسی (۶) ریموں کے انتقال پر فرانسیسی رسوخ میں انحطاط اور انگریزون سے دوبارہ عہد و پیمان (۷) لارڈ ولزلی کا ہندوستان میں ورود (۸) ملک دکن سے فرانسیسون کا اخراج (۹) چوتھی جنگ میسور اور ٹیپو کا خاتمہ (۱۰) سلطنت میسور کی تقسیم اور موجودہ ریاست میسور کا قیام۔

انگریزوں سے کشیدگی سرجان شور کی یہ انتہائی ناعاقبت اندیشی تھی کہ اُس نے **اور فرانسیسوں پر اعتماد** کمپنی کے خاص دوست نواب آصفجاہ ثانی کو مرہٹوں کے بس میں تنہا چھوڑ دیا۔ انگریزوں کی اس بیوفائی اور دغا کیوجہ سے آصفجاہ ثانی کو اس قدر غم اور غصہ ہوا کہ اُنہوں نے حیدرآباد پہونچ کر کپتان کرکپیٹرک کو اطلاع دی کہ ”اب حیدرآباد کو انگریزی فوجوں کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ لہذا وہ فوجیں کمپنی کے علاقہ میں منتقل کر دیجائیں“ چنانچہ انگریزی فوجیں

واڑاپلی بھیج دی گئیں[1]

انگریزوں پر عتاب کا نتیجہ صرف اتنا ہی نہیں ہوا کہ انگریزی فوجوں کو علیحدہ کر دیا گیا۔ بلکہ اُن کی جگہ آصفجاہ ثانی نے فرانسیسی افسروں کے تحت اپنی قواعد داں پلٹنوں کی تعداد بڑھانی شروع کی۔ اور یہ تمام فوجیں موسیو ریمون کی سپہ سالاری میں رکھی گئیں۔ دربار دکن میں موسیو ریمون کا روز افزوں عروج انگریزی رزیڈنٹ سے دیکھا نہ گیا۔ لہذا اُس نے اُس کے رسوخ کو کم کرنے کی ہر چند کوشش کی۔ لیکن اُس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ بلکہ فرانسیسی اثر برابر بڑھتا گیا۔ حتیٰ کہ آصفجاہ ثانی نے موسیو ریمون کو بہت سے اختیارات دے کر اُس کی فوج کی تنخواہوں کے لئے اُس کے تام جاگیر لکھ دی تھی[2]۔ بعد ازاں رزیڈنٹ حیدرآباد اور سر جان شور کی حجت اور شکوہ کے باوجود کمپنی کے حدود کے قریب کے علاقوں یعنی کڑپا اور کہم پر قبضہ قائم رکھنے کے لئے فرانسیسی افسروں کے تحت حیدرآباد سے فوجیں روانہ کر دی گئیں۔

غرض انگریزی فوجوں کی علیحدگی، ریمون کی فوجوں میں اضافہ اور باوجود حجت و دلیل کے کمپنی کی حدود پر فوجوں کو روانہ کرنا۔ اِن تمام واقعات سے یہ بات ظاہر ہوتی تھی کہ اُس زمانہ میں دربار دکن میں انگریزوں کا کوئی اثر باقی نہیں رہا تھا۔ اور کارنوالس کی ساری محنتِ شاقہ جو اُس نے اتحاد قائم کرنے کے لئے صرف کی تھی وہ محض سر جان شور کی ناعاقبت اندیشی کی وجہ

---

[1] حدیقۃ العالم جلد دوم صفحہ ۱۱۸۔

[2] Malcolm's Political History of India Vol. I. P. 148.

غارت ہوگئی تھی۔ اور اب سلطنت حیدرآباد بجائے انگریزوں کے ممد ومعاون ہونے کے فرانسیسوں کے رسوخ کی وجہ سے انگریزوں کے لئے عظیم الشان خطرہ کا باعث ہوسکتی تھی[۵۳] اگر اس نازک موقع پر حیدرآباد کے لئے مقامی اور خاندانی مصائب کا سامنا نہوتا تو تاریخ کی افتاد ہی بالکل بدل جاتی ہے[۵۴]

حیدرآباد کی یہ مصیبت دراصل شہزادہ عالیجاہ کی بغاوت تھی کھرڈلا کی لڑائی کو ختم ہوئے ابھی چند ماہ بھی نہیں گزرے تھے کہ اسی سال ۱۷۹۵ء میں بعض مفسدوں نے، یا جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ خود ٹیپو سلطان نے، نواب نظام علیخاں کے سب سے بڑے شہزادہ عالیجاہ کو باپ کے خلاف بغاوت کرنے پر آمادہ کیا۔ اس سے ٹیپو سلطان کا منشاء یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اگر بغاوت کامیاب ہو تو سرکار نظام کی طاقت بجائے میسور کے خلاف کام میں آنے کے میسور کے معاون کی حیثیت سے کام میں آسکیگی[۵۵] بغاوت کا سبب یہ تھا کہ عالیجاہ کی رائے میں سلطنت کے ہر شعبہ میں بدنظمی پھیلی ہوئی تھی۔ اس لئے وہ خود دیوانِ سلطنت کی حیثیت سے سلطنت کے معاملات کو درست کرنا چاہتے تھے۔ برخلاف اس کے آصفجاہ ثانی اُن کو اس کا اہل نہیں سمجھتے تھے۔ اس اختلاف سے مفسدوں نے فائدہ اُٹھایا اور اُس زمانہ میں جب کہ وزیر دکن اعظم الامراء مرہٹوں کی قید میں تھے اور راجہ شام راج حکومت کا کام انجام دیرہے تھے

Malcolm's History of India P. 151 . . . . ۵۳

The Nizam by Macauliffe Page 28 . . . . ۵۴

Kincaid's History of the Maratha people Vol. III. P. 188 ۵۵

عالیجاہ کو بغاوت کرنے پر آمادہ کیا۔ یہ موقع اِس لئے بھی مناسب تھا کہ اب راجہ شامراج کی تحریک پر اُسی زمانہ میں[۵۶] میر عالم کی رائے کے خلاف نواب آصفجاہ ثانی نے انگریزی فوجوں کو برخاست کر دیا تھا۔ اور وہ فوجیں صرف واڑہ پلی کے ٹیلہ تک گئیں تھیں کہ اُس بغاوت کا حال معلوم ہوا[۵۷]۔

بغاوت کے واقعات یہ ہیں کہ مشہور و معروف سرکش زمیندار سداسیو راؤ اور دیگر مفسدوں نے عالیجاہ کو اپنے ساتھ کر لیا اور بتاریخ ۲۸ رجون ۱۷۹۵ء کو حیدرآباد سے خفیہ طور پر روانہ ہوکر اور محمد آباد بیدر کے قلعہ پر قبضہ کر کے وہاں پر بہت بڑی فوج جمع کر لی۔ یہ حال سنکر آصفجاہ ثانی نے اول تو شفقت پدری سے کام لیا۔ بعد ازاں تادیب کی غرض سے فرانسیسی فوج کو موسیو ریمون کی ماتحتی میں اور افسرانِ پائیگاہ اور دوسرے سرداروں کو میر عالم کی سرکردگی میں اُدھر روانہ کیا اور اِدھر انگریزوں کی اعانتی فوج کو جو برخاست کر دیگئی تھی۔ واپس بلا لیا۔ اِس طرح ۱۲ راگست ۱۷۹۵ء کو میجر رابرٹس کی ماتحتی میں دو انگریزی پلٹنیں دوبارہ حیدرآباد آگئیں[۵۸]۔ عالیجاہ نے اول تو مقابلہ کرنیکی کوشش کی اُس کے بعد پونا سے امداد

---

۵۶ "این مولف از راہ مآل اندیشی و دولت خواہی خداوند نعمت این معنیٰ را خلاف صواب انگاشتہ بحضور معروض داشت کہ بجہ سعی و بلیغ و حسن تدبیر موافقت و اتحاد با صاحبان انگریز بہادر صورت انعقاد بستہ و باقبال خداوندی بآن پایہ رسیدہ کہ جمعیت آن بہادران ملازم سرکار دولت مدار گردیدہ و این معنی موجب استحکام اساس دولت روز افزون و مورث ازدیاد سطوت و صولت بر دلہائے مخالفان است مبادا ازین حرکت ہیبت از دلہا زدودہ شود۔ و سانحہ رو دہد کہ تدارک آن مشکل گردد" حدیقۃ العالم جلد دوم صفحہ ۱۶

۵۷ گلزار آصفیہ صفحہ ۸۵ - ۵۸ Our Faithful Ally the Nizam. P 772

حاصل کرنی چاہی۔ لیکن جب ناکامی ہوئی تو اورنگ آباد کے قریب خود کو اُنہوں نے میرعالم کے حوالہ کر دیا۔ "بندگانعالی" سے اپنے جرم کو معاف کرانیکی غرض سے حیدرآباد آرہے تھے کہ یکایک تپ محرقہ سے راستہ میں اُن کا انتقال ہوگیا[۹] یا جیساکہ بعضوں کا خیال ہے کہ ندامت کی وجہ سے زہر کھاکر اُنہوں نے اپنا خاتمہ کرلیا[۱۰]

موسیو ریموں کا دربار دکن میں رسُوخ عالیجاہ کی بغاوت کو فرو کرنے میں موسیو ریموں کی فوج نے جو حصہ لیا تھا اُس کی وجہ سے فوج کی شہرت بہت زیادہ ہوگئی تھی اِس شہرت کی بنا پر فوج کی تعداد میں مزید اضافہ عمل میں آیا اور اخراجات کے لئے علیحدہ زمینات عنایت ہوئیں موسیو ریموں کی شہرت اِس قدر ہوئی تھی کہ اب اُس کا رسوخ صرف دربار دکن تک ہی محدود نہ تھا بلکہ ملک کے مختلف حصون میں اُس کا اعتماد قائم ہوچکا تھا۔ اور دکن کے امراء اور شرفاء میں اُس کی عظمت کے چرچے ہونے لگے تھے۔ مزید برآن نواب آصفجاہ ثانی نے سلطنت اور فوج کے معاملات میں اختیارات دیکر اُس کی علیحدہ حوصلہ افزائی کی تھی برخلاف اِس کے جو انگریزی فوجیں بلائی گئی تھیں اُن سے کوئی کام ایسا نہیں لیا گیا تھا جس کی وجہ سے اُن کی شہرت یا عزت ہوتی۔ سوائے اِس کے کہ مارچ ۱۷۹۶ء میں صرف رائچور کی تسخیر اور بعد ازان والاجاہ کے بیٹے کی بغاوت کو فرو کرنے میں اُن سے کچھ مدد لیگئی تھی[۱۱] جو نسبتاً معمولی کام تھے غرض یہ کہ جب تک سر جان شور گورنر جنرل رہا۔

---

[۹] رشید الدین خانی صفحہ ۱۹۲۔ tire skc oh
(۲) تاریخ گلزار آصفیہ صفحہ ۶۸۔

[۱۰] Malcolm's History of India P. 153.

اُس وقت تک دربار دکن کی اُن انگریزی فوجوں پر نہ تو آصفجاہ ثانی کا کوئی اعتماد تھا اور نہ اُن کی ایسی آؤبھگت ہوتی تھی جیسی کہ اُن کے حریف فرانسیسی فوجوں کی۔

آصفجاہ ثانی کی علالت۔ اُسی زمانہ میں یعنی فبروری ۱۷۹۶ء میں آصفجاہ ثانی کے یکایک سخت علیل ہوجانے کی وجہ سے انگریزوں کے دل میں یہ خطرہ پیدا ہوا کہ اگر آصفجاہ ثانی انتقال کرجائیں تو فرانسیسوں کا اثر اور مستحکم ہوجائیگا کیونکہ ولی عہد سکندرجاہ فرانسیسوں کے حد درجہ طرفدار تھے۔ حتیٰ کہ وہ ہربات پر "موسیٰ رحمو کے سر کی قسم" کھایا کرتے تھے۔ اور اُس کو تمام لوگوں میں بہترین شخص خیال کرتے تھے[۱] سکندر جاہ کے علاوہ ایک اور شہزادہ فریدون جاہ کی حمایت میں پائیگاہ والوں کا فریق تھا۔ اِس فریق کو کیونکہ اپنی کامیابی کی اُمید نہ تھی اِس لئے یہ لوگ بھی موسیو ریمون کے ساتھ ملگئے تھے۔ لیکن آصفجاہ ثانی کے صحت یاب ہونے سے مختلف فریقوں کے منصوبوں پہ پانی پھر گیا۔ اِسی دوران میں ابتداء سے میر عالم انگریزوں کی تائید میں تھے وہ بارہا انگریزی رزیڈنٹ کو یقین دلاچکے تھے کہ "اگر انگریز سرکار نظام سے شرکتِ عام کریں تو ہر دو سرکار کو اُس سے بیشمار فوائد حاصل ہونگے اور اُنہوں نے اِس بات کا وعدہ بھی کیا تھا کہ اگر غیر محدود مدافعانہ معاہدہ ہوجائے تو تھوڑے دنوں کے اندر ممالک محروسہ سے ایک ایک فرانسیسی کو چُن چُن کر نکالدیا جائیگا"[۲]

وزیر دکن اعظم الامراء کی رہائی۔ کھرڈلا کے عہد و پیمان کے بعد ہی اِدھر آصفجاہ ثانی کو حیدرآباد پہونچنے پر عالیجاہ کی بغاوت فرو کرنے کی تدبیریں کرنی پڑیں اور اُسکے بعد

---

[۱] [illegible] 192 ....

[۲] Ibid P 206 ....

خود اُن کی علالت کا سلسلہ رہا اور اُدھر مرہٹہ سرداروں پر یہ مصیبت طاری ہوئی
کہ ۲۷ اکتوبر ۱۷۹۵ء کو اُن کا نوجوان پیشوا، مادھو راؤ چھت پر سے گر کر فوت ہوا
اور اُس کی جانشینی کے لئے مرہٹوں میں سخت جھگڑے شروع ہو گئے۔ پونا کا
مختار کل نانا فرنویس، رگھوناتھ راؤ کے ایک بچہ امرت راؤ کو گدی نشین کر کے
سلطنت کے معاملات کو اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتا تھا۔ لیکن صورت حال یہ
پیش آئی کہ امرت راؤ کا سوتیلا بھائی باجی راؤ دوم پیشوا بنایا گیا۔ کچھ دنوں بعد
اُس کی جگہ باجی راؤ کا بھائی چمناجی اپا پیشوا بنایا گیا۔ اور نانا فرنویس کو رائے گڑھ
میں پناہ لینی پڑی اس دوران میں اعظم الامرا نے چالاکی یہ کی کہ اُدھر تو نانا فرنویس
کو رائے اور مشورہ دیتے رہے اور اِدھر دولت راؤ سندھیا سے مل گئے اور اُس کی
مدد کے لئے حیدرآباد سے مالی اور فوجی امداد طلب کی بعد ازاں مرہٹہ سرداروں
میں پھوٹ ڈلوا دی۔ بالآخر اکتوبر ۱۷۹۶ء میں نانا فرنویس نے اعظم الامرا کے ساتھ
ایک عہدنامہ کیا جو عہدنامہ مہاڑ کہلاتا ہے اُس کی رو سے اعظم الامرا کی رہائی
اور سلطنت پونا کی جانب سے اُن تمام علاقوں کی واپسی کا اقرار کیا گیا جو عہدنامہ
کھرڈلا کے بموجب مرہٹوں کے پاس چلے گئے تھے۔ چنانچہ اُس کے بعد ہی باجی راؤ
دوم دوبارہ پیشوا بنایا گیا۔ چمناجی آپا کی تبنیت ناجائز قرار دیگئی اور نانا فرنویس
پھر مختار کل کے عہدہ پر فائز کیا گیا۔ اِس طرح عہدنامہ کے بموجب صوبہ بیدر
کی چوتھ سے دست برداری، کھرڈلا کی لڑائی میں کھوئے ہوئے علاقوں اور
قلعہ دولت آباد کی واپسی کا اقرار نامہ، ایک کروڑ روپیہ
نقد اور تین کروڑ روپیہ کا دستاویز لیکر جولائی ۱۷۹۷ء کو اعظم الامرا

حیدر آباد واپس آگئے[۱۳]

اعظم الامرا کے اس طرح اپنی حسن تدبیر سے رہائی پاکر حیدر آباد آنے سے نواب آصفجاہ ثانی کو نہایت خوشی ہوئی اور انہوں نے اُن کو ارسطو جاہ فرزند ارجمند وکیل مطلق مختار دولت آصفیہ کا خطاب اور ہشت ہزاری منصب اور مدار المہامی کی خدمت عنایت کی[۱۵]

اعظم الامرا کی حیدر آباد کو واپسی کے بعد بھی عرصہ تک حیدر آباد دکن میں فرانسیسون کا اثر برابر قائم رہا حتیٰ کہ ۴ اپریل ۱۷۹۶ء کو فرانسیسی افواج نے اپنی پلٹنون میں خوشی مناتے ہوئے حریت فرانس کا جھنڈا بلند کیا تھا[۱۶] اس سے زیادہ یہ کہ دکن میں فرانسیسون کی حیثیت رفتہ رفتہ ثالث اور پنچ کی ہوتی جارہی تھی[۱۷] ان تمام حالات کو دیکھکر انگریزی رزیڈنٹ فرانسیسوں کی کاٹ پر رہتا تھا اور موقع پاکر کبھی تو فرانسیسون کے خلاف واقعات بیان کرکے نواب آصفجاہ ثانی

نوٹ متعلقہ حوالہ (۱۳) پیشوا باجی راؤ نے سندھیا کی امداد حاصل کرکے نانا فرنویس کے اُس معاہدہ کو منسوخ قرار دیا جو اعظم الامرا کے ساتھ کیا گیا تھا لیکن بالآخر یہ فیصلہ ہوا کہ کھرڈلا کے معاہدہ کی چوتھائی رقم اور چوتھائی علاقہ مرہٹون کو دیا جائے Owen's Despatehes Wellesiey P31

۱۴ Kinoald s History of the Maretha people Vol III P 185 A g ed Gazetteer P 210
(۲) تاریخ گلزار آصفیہ صفحہ ۱۶۵ تا ۱۷۵ (۳)

۱۵ (۱) تاریخ گلزار آصفیہ صفحہ ۱۷۶ - (۲) Melcolm's History of India P.157

۱۶ Col Wood's Review of the Late War 4

۱۷ Oar Faithful All the Nizam. 142. ool note

اور اُمرائے دربار کے کان بہرتا تھا۔ اور دربار میں کبھی اُن کی ہنسی اُڑایا کرتا تھا غرض ہر طرح سے فرانسیسون کے رسوخ کو کم کرنے کی کوشش کیا کرتا تھا[۱۸] لیکن فرانسیون کا ستارہ ابھی عروج پر تھا چنانچہ اس کے بعد کڑپا اور کہم کے دو جدید علاقے موسیو ریمون کو دئے گئے۔ اِسپر اُس زمانہ کے رزیڈنٹ کیپٹن کرکپٹرک نے دوبارہ معروضہ پیش کیا کہ سرکار نظام اور انگریزوں کے درمیان باوجود اتنے گہرے تعلقات ہوتے ہوئے فرانسیسون کو اس طرح عروج اور ترقی کا موقع دینا آئینِ دوستی کے خلاف ہے[۱۹] لیکن آصفجاہ ثانی نے اس شکوہ کی طرف کوئی توجہ نہیں کی۔

اعظم الامراء نے مدار المہامی کا جائزہ لیکر پہلا کام یہ کیا کہ دربار کے تمام لوگوں کی مخالفت کے باوجود نواب آصفجاہ ثانی سے اس امر کی اجازت حاصل کرلی کہ سب سرکاری کاغذات اور اسناد پر سکندر جاہ کی دستخط ہوا کریگی[۲۰] اس طور پر گویا سکندر جاہ کو اپنے قبضہ میں کرکے اعظم الامراء نے انگریزوں سے اتحاد بڑہانے کی فکر کی۔

ریمون کے انتقال پر فرانسیسی رسوخ میں انحطاط اس کے دوسرے ہی سال اور انگریزون سے دوبارہ عہد وپیمان ہوا ایک واقعہ ایسا پیش آیا کہ جسکی وجہ سے تاریخ کی اُفتاد بالکل بدل گئی وہ یہ کہ ۲۵ مارچ ۱۷۹۸ء کو مشہور و معروف فرانسیسی مدبر اور سپہ سالار موسیو ریمون کا انتقال ہوگیا اور اُس کی جگہ موسیو پیسرون[۲۱] سپہ سالار مقرر ہوا[۲۲] موسیو ریمون کی موت گویا اس بات کی پیشین گوئی تھی

---

[۲۱] M. Perron.

[۱۸] Our Faithful Ally the Nizam. P. 159

[۲۲] Historical and Descriptive sketch Vol. I P. 98 . . .

[۱۹] Ibid P. 189 . . . . .

[۲۰] Ibid P. 216 . . . . .

کہ اب بہت جلد دربار دکن سے فرانسیسیون کے اقبال کا ستارہ غروب ہونیوالا ہے۔

یہ کہا جاسکتا ہے کہ موسیو پیرون کی تاریخ تقرر سے فرانسیسیوں کے عروج کا دور ختم ہوکر زوال و انحطاط کا زمانہ شروع ہوگیا۔ اول تو اِس لئے کہ موسیو پیرون اُس قابلیت اور اُن صفات کا آدمی نہیں تہا جو موسیو ریموں کی ذات میں تہین۔ اور دوسری بات یہ کہ موسیو ریمون کے نام کا اثر جو لوگون پر جادو جیسا ہوا کرتا تھا۔ اب وہ نام ہی باقی نہیں رہا تھا تو اثر کس کا ہوتا؟ تیسری وجہ یہ تھی کہ موسیو ریموں کے انتقال کے بعد دربار دکن کا جو فریق کہ فرانسیسیون کا طرفدار تھا۔ وہ بے سرا ہوگیا۔ اور اب مخالف فریق کی بن آئی تھی جو انگریزون سے گہرے تعلقات قائم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اور جس کے سرگروہ میر عالم جیسے باثر لوگ تھے اِس فریق کو وزیر دکن اعظم الامراء کی رہنمائی اور سرپرستی سے مزید تقویت پہونچی۔ اِس طور پر فرانسیسی رسوخ میں دن بدن انحطاط ہوتا گیا اور اعظم الامرا نے جو میر عالم کی طرح ابتدا سے انگریزوں کے طرفدار تھے "برائے حفاظت و استدامت دولت و ازدیاد قرب و منزلت خود با سرداران انگریز عقد اتحاد و موافقت بربست[۲۲]"

ہندستان میں لارڈ ولزلی کا ورود۔ اِس کو انگریزوں کی خوش قسمتی کہنا چاہیئے کہ جس زمانہ میں میر عالم اور اعظم الامرا اُن سے مستحکم تعلقات قائم کرنے کے متمنی تھے اُس وقت سر جان شور جیسے کمزور شخص کے ہاتھ میں

---

۲۲ حدیقۃ العالم جلد دوم صفحہ ۱۴۱۔

کمپنی کا نظم و نسق نہیں تھا بلکہ لارڈ ولزلی جیسا اولوالعزم شخص گورنر جنرل ہو کر اپریل ۱۷۹۸ء کو ہندوستان آگیا تھا۔

ہندوستان آتے ہی برطانوی مقبوضات کی حفاظت و استحکام اور برطانوی سیادت کے منصوبہ کی تکمیل کے لئے ولزلی کا سب سے پہلا کام یہی تھا کہ ٹیپو کی طاقت کا خاتمہ کیا جائے اور اُس کی فوجوں کو فرانسیسیوں کے ساتھ ملنے کا قطعی موقع نہ دیا جائے[۲۳]۔ ٹیپو کی طاقت کا خاتمہ کرنا اور فرانسیسی اثر کو زائل کرنا یہ دونوں مقاصد اُس وقت تک پورے نہیں ہو سکتے تھے جب تک کہ سلطنت حیدرآباد کی امداد نہ حاصل کیجائے کیونکہ عدم مداخلت کے اُصولِ عمل کا یہ نتیجہ تھا کہ نہ تو کمپنی بطور خود کسی سلطنت سے جنگ کرنے کے قابل تھی اور نہ کسی حلیف کا اُسپر اعتماد باقی رہا تھا جو اُسکی اعانت کرتا[۲۴] اس لئے ولزلی نے سرکار نظام کے ساتھ معاہدہ کرنے اور پیشوا کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی[۲۵]

اُس وقت جبکہ کمپنی اس کس مپرسی کی حالت میں تھی۔ حیدرآباد کے مدارالمہام اعظم الامراء کا فرانسیسیوں سے انحراف کر کے انگریزوں کی طرف ہاتھ بڑہانا ولزلی کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ سے کم نہ تھا۔ چنانچہ میسور کے خلاف جارحانہ طرزِ عمل ملتوی کر کے گورنر جنرل نے سب سے اول دربار دکن سے

[۲۳] Owen's Despatches of Wellesley P. XXX . . . . .

[۲۴] Malcolm's History P. ۲۴۴

[۲۵] Owen Despatches of Wellesley P. XXX

فرانسیسی فوج کو کم کرانے کی کوشش کی[۱۲۶] اور حیدرآباد کے انگریزی رزیڈنٹ کو یہ لکھا
کہ آصفجاہ ثانی کے حسب خواہش ایک جدید عہد نامہ کرنے کے متعلق اُن سے
گفت وشنید کیجائے اور یہ شرائط پیش کیں کہ "اگر آصفجاہ ثانی فرانسیسی افسروں کو
جو اُن کے پاس ملازمت میں ہیں، برطرف کرکے اُن کی جگہ انگریزی پلٹنوں میں
اضافہ کرنے کے لئے رضامند ہوں تو حکومت برطانیہ اُن کی سلطنت کی حفاظت
کا ذمہ لیتی ہے"[۱۲۷] چنانچہ طرفین کی رضامندی سے بالآخر یکم ستمبر ۱۷۹۸ء کو ایک
عہد نامہ ہوگیا جس کی رو سے اعانتی فوج میں چار پلٹنوں کا اضافہ ہوکر چھ پلٹنیں
مستقل کردیگئیں اور اُن کے لئے سالانہ رقم چوبیس لاکھ ستر ہزار ایکسو روپیے
قرار دیگئی اور یہ طے ہوا کہ "یہ رقم سالانہ چار مساوی اقساط میں ادا ہوا کرے۔
اور اگر کچھ بقایا رہ جائے تو جو پیشکش کہ کمپنی شمالی سرکار کے لئے نواب آصفجاہ ثانی
کو ادا کرتی ہے اُس کی قسط سے یہ بقایا رقم پوری کرلیجائے گی۔ اور اگر فوج کے
متعلق رقم کی کوئی پوری قسط ادا نہیں ہوئی ہو تو کمپنی ایسی صورت میں سرکار عالی
کے کسی ضلع کی آمدنی سے وہ رقم حاصل کریگی" (دفعہ سوم عہد نامہ ۱۷۹۸ء) اور
یہ بھی طے پایا کہ معاونتی فوج حیدرآباد پہونچتے ہی تمام فرانسیسی ملازمین اور افسر
خدمت سے علیحدہ کردیئے جائیں گے اور اُن کی فوجیں اس طرح منتشر کردیجائیگی
کہ اُن کا سابقہ کوئی نشان تک باقی نہیں رہیگا۔ اِس کے بعد نہ تو کوئی فرانسیسی
ملازم رکھا جائیگا اور نہ اُس کو ممالک محروسہ میں رہنے کی اجازت ہوگی۔ اسیطرح

---

[۱۲۶] Auber's Rise and Progress of Br. Power in India Vol. II P. 172

[۱۲۷] Our Faithful Ally the Nizam. P. 217.

کسی یورپین کو اُس وقت تک نہ تو کوئی خدمت دیجائیگی اور نہ اُس کو ممالک محروسہ سرکارِ عالی میں رہنے کی اجازت ملیگی جب تک کہ اس بارے میں کمپنی کی منظوری نہ لیجائے۔ (دفعہ ششم عہدنامہ ۱۷۹۸ء) فرانسیسی افسروں کو گرفتار کرکے برطانوی رزیڈنٹ کے حوالہ کیا جائیگا" (دفعہ ہفتم عہدنامہ ۱۷۹۸ء)

اِس عہدنامہ کی دفعہ ششم کی رو سے یہ بات بھی طے پائی کہ "اگر نواب آصفجاہ ثانی اور پیشوا کے درمیان کوئی بات تصفیہ طلب ہو تو حکومت برطانیہ صداقت و انصاف کے اصول پر اس کا تصفیہ کریگی"[شلہ]

غرض اِس عہدنامہ کا نتیجہ یہ نکلا کہ سرکار نظام کے پاس سابق کی نسبت انگریزی فوج کی تعداد سہ گنی بڑھا کر چھ ہزار کردی گئی جس کی وجہ سے اخراجات کی مد میں انیتس لاکھ روپیہ کا اضافہ ہوا اور جملہ رقم چوبیس لاکھ ستر ہزار ایکسو روپیے سالانہ قرار پائی[وشہ] اِس کے بعد ولزلی نے پیشوا کی طرف توجہ کی اور کوشش کرکے "نواب نظام الملک آصفجاہ ثانی اور پیشوا دونوں کو کسی نہ کسی طرح میسور کے خلاف اتحادِ عمل کرنے پر راضی کرلیا"[سلہ] تاکہ اِن دونوں سے حسبِ دلخواہ مدد لیجاسکے اعظم الامرا نے انگریزوں سے اِس قسم کا معاہدہ اس لئے کیا تھا کہ وہ ابتدا سے انگریزوں کے مدّاح تھے۔ اُن کے نزدیک حیدرآباد کا وجود صرف کمپنی ہی کی مدد سے

شلہ Aitchison's collection of Treaties etc., Vol. V. P 176

وشہ
(۱) The Nizam by Macauliffe Page 29
(۲) Auber's Rise and Progress of Br. Power in India Vol. II P 179.

سلہ ہندی مملکت برطانیہ صفحہ ۳۶۳۔

باقی رہ سکتا تھا۔حالانکہ خود نواب آصفجاہ ثانی اور اُمرائے دربار نے اِس قسم کے عہدنامہ کی مخالفت میں یہ دلیل پیش کی تھی کہ اِس عہدنامہ کے لحاظ سے حیدرآباد کو ہمیشہ کے لیئے انگریزوں کا مطیع اور ماتحت ہوجانا پڑے گا۔ اُس کا جواب اعظم الامرا نے یہ دیا کہ ”وہ ماتحتی جس کی وجہ سے آئندہ حفاظت اور امن کا اطمینان ہوسکے اُن اتحادوں اور معاہدوں سے بدرجہا بہتر ہے جنکی وجہ سے حرص و طمع اور سازشوں کا آخر میں شکار رہونا پڑے“[۳۱]

ملک دکن سے فرانسیسوں کا اخراج۔ اِس جدید عہدنامہ کے اور شرائط کی تکمیل تو ممکن تھی لیکن فرانسیسون کی اتنی بڑی فوج کو علحدہ کرنا کوئی آسان کام نہ تھا موسیو ریمون کے زمانہ میں فرانسیسون کا جو رسوخ تھا گو وہ اب باقی نہیں رہا تھا لیکن پھر بھی اتنی بڑی فوج کی علحدگی نہایت مشکل اور دقت طلب کام تھا جب قرار داد انگریزی فوج کی چار رجمنٹ پلٹنیں ۱۰ اکتوبر کو حیدرآباد پہونچکر جب قدیم دو پلٹنون میں شامل ہوگئیں تو میجر جیمس اکلیس کرکپٹرک رزیڈنٹ حیدرآباد نے فرانسیسی فوجوں کی علحدگی کا مطالبہ کیا یہ حالت دیکھ کر آصفجاہ ثانی اور اعظم الامرا کو بڑی دشواری پیش آئی کیونکہ درباریوں کی رائے اُس وقت مختلف تھی بعض انگریزون کی تائید میں تھے بعض فرانسیسون کی اور بعض مرہٹون کی[۳۲] اِس لیئے اعظم الامرا نے چند دنوں کے لیئے انگریزون کے مطالبہ کو ٹالنے کی کوشش کی اسپر رزیڈنٹ نے جواب دیا کہ ”اگر فرانسیسی فوج فوراً علحدہ

---

۳۱ Malcolm's Political History of India Vol. I. P 202 & 203

۳۲ Historical and Descriptive sketch Vol. I. P. 100

نہ کی گئی تو انگریزی فوج اُسپر حملہ کرے گی اور نتائج کی ذمہ داری حیدرآباد پر ہو گی ،،
اِس کے بعد ہی رزیڈنٹ نے انگریزی فوجون کو بڑھنے کا حکم دیا یہ رنگ دیکھکر
مجبوراً فرانسیسی افسرون کی برطرفی کا حکم دیدیا گیا اور ساتھ ہی یہ بھی حکم دیا گیا کہ
اُن کے افسر انگریزون کے حوالے کئے جائیں اور فوجین ہندوستانی افسرون
کی ماتحتی میں رکھی جائیں اِس فرمان کی وجہ سے فرانسیسی فوج میں بدنظمی اور
بلوہ ہو گیا لیکن انگریزی پلٹنون اور حیدرآباد کی فوج کی مدد سے چند گھنٹون کے
اندر بغیر کسی خونریزی کے اِس باقاعدہ چودہ ہزار کی فرانسیسی فوج نے ہتھیار
ڈالدئے۔ اور اُن کے افسر یہ حالت دیکھکر ۲۲ر اکتوبر کو خود ہی رزیڈنسی
پہونچ گئے[۳۳] فرانسیسی فوج کی علحدگی اور فرانسیسی افسرون کے دکن سے
اخراج کے بعد اِن کی جگہ (۶۵۰۰) چھ ہزار پانچ سو کی انگریزی اعانتی فوج
حیدرآباد میں رکھی گئی جس کی وجہ سے دربار دکن میں انگریزون کا اثر ایکدم
بڑھ گیا[۳۴]۔ اور فرانسیسی اثر دربار دکن سے اتنا جلد زائل ہو گیا کہ اُن کی کوئی
یادگار تک باقی نہیں رہی[الف]۔

---

[۳۳] Malcolm [illegible] story of India PAGES 208 – 212

[۳۴] Col. Weed [illegible] view [illegible] the Late War in Mysore [illegible] 12.

[الف] صرف چند معمولی چیزیں بطور فرانسیسون کی یادگار کے اِس وقت تک باقی رہ گئی ہیں
جن میں شاید سب سے زیادہ مشہور مسیرم کی فوج ہے۔ حیدرآباد کی اِس موجودہ فوج کو فرانسیسون
سے کوئی تعلق نہیں لیکن لفظ موسیو ریمون کی بگڑی ہوئی شکل مسیرم کا نام فرانسیسون کی یاد
تازہ کرنے کے لئے کافی ہے۔

چوتھی جنگ میسور اور ٹیپو کا خاتمہ حقیقت تو یہ ہے کہ سلطان حیدر علی اور ٹیپو سلطان
یہ دو نام ایسے تھے جو برطانوی قوم کو خوف دلانے کے لئے بہت کافی تھے لیکن
بالخصوص ولزلی کے زمانے میں انگریزون کو میسور کی بڑھتی ہوئی طاقت سے
بڑا خطرہ پیدا ہونے لگا تھا۔ کیونکہ ٹیپو اس زمانے میں اہل فرانس کے ساتھ خط و
کتابت کرکے انگریزون کے خلاف جنگی اتحاد قائم کرنے کے منصوبے باندھ رہا تھا
اس لئے ہندوستان پہونچتے ہی ولزلی کا ارادہ ہوا کہ میسور پر حملہ کیا جائے لیکن
کمپنی کی فوجون کی انتہائی بُری حالت دیکھ کر اس نے تامل کیا اور اس عرصے
میں سرکار نظام اور پیشوا سے جدید معاہدے کئے تاکہ میسور کے خلاف ان سے
حسب دلخواہ مدد لی جاسکے اور سب سے بڑھکر یہ کہ اسی سلسلہ میں حیدرآباد سے
فرانسیسیون کو خارج البلد کرکے ریاست حیدرآباد کو کمپنی کے زیر اثر کر لیا۔ جس کی
وجہ سے فتح میسور میں بہت سی آسانیاں پیدا ہوگئیں۔ جنگ شروع ہونے کے
قبل ٹیپو سلطان اور ولزلی میں جو خط و کتابت جاری رہی اُس سے اس
بات کا پتہ چلتا ہے کہ ٹیپو سلطان آخر وقت تک ہر خط میں اپنی دوستی و اتحاد
اور کمپنی پر اپنا اعتماد ظاہر کرتا رہا۔ لیکن ولزلی کو خود کبھی اس کا یقین نہ آیا
بالآخر فروری ۱۷۹۹ء کو حیدرآباد کی اعانتی فوج (۶۵۰۰) کی تعداد میں اور
اسی تعداد میں خاص سرکار نظام کے بہترین سوار اور سپاہ میر عالم کی ماتحتی میں
روانہ ہوکر بمقام ویلور انگریزی سپہ سالار اعظم جنرل ہیرس کی فوج کے ساتھ شریک

۳۵ Owen's Despatches of Wellesley. P. XIII

۳۶ Auber's Rise And Progress of Br Power in India Vol. II. P. 170

ہوگئی[۳۲] اور لڑائی شروع ہونے پر اِن متحدہ فوجوں نے کامیابی کے ساتھہ سری رنگا پٹنم کا محاصرہ کر لیا۔

ٹیپو سلطان نے جو آغاز جنگ سے محاصرہ کے وقت تک صلح کا متمنی تھا صلح کی گفت و شنید کے متعلق جنرل ہیرس کو خط لکھا اس پر جنرل ہیرس نے حسب ذیل شرائط پیش کیں کہ "ٹیپو سلطان اپنا نصف ملک اتحادیوں کے حوالے کرکے دو کروڑ روپیہ بطور تاوان جنگ ادا کرے اور تمام فرانسیسیوں کو خدمت سے علیحدہ کرکے اُن سے بالکل قطع تعلق کرکے اور اتحادیوں کے سفراء کو اپنے دربار میں جگہ دے اور اُن شرائط کی تکمیل کے لئے کافی ضمانت پیش کرے[۳۳]"، ضمانت میں چار شہزادوں یعنی سلطان پادشاہ، فتح حیدر محی الدین اور عبدالخالق اور چار افسروں یعنی میر قمرالدین میر محمد صادق سید غفور اور پرنیا کو طلب کیا گیا تھا۔ اِن سخت شرائط کو سننے کے باوجود جب ٹیپو نے اپنے سفیروں کو بھیجکر معاملات طے کرانا چاہا تو جنرل ہیرس نے یہ دھمکی دی کہ "مجوزہ شرائط کی تکمیل ہونے تک نہ کسی سفیر کو آنیکی اجازت دیجائیگی۔ اور نہ محاصرہ ایک منٹ کے لئے اُٹھایا جائیگا[۳۵]" اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ کرناٹک کی حفاظت کے نام سے حکومت مدراس کی رائے کے بالکل خلاف ولزلی نے سلطنت میسور کی آزادی کا خاتمہ کرنے کا تہیہ

---

۳۲ Our Faithful Ally the Nizam. P 323
Owen's Despatches of Wellesley P. LXXXI

۳۳ Col. Wood's R[illegible] of the Late War in Mysore 1798 P 20.

۳۵ Ibid P. 23

کر لیا تھا[۱۲۹] چنانچہ اس چوتھی جنگ میسور کا نتیجہ یہ ہوا کہ ٹیپو سلطان بہادری سے لڑتا ہوا مارا گیا[۱۳۰] اس کی موت اور سری رنگا پٹم کی تسخیر کے ساتھ میسور کی تمام ریاست کمپنی اور سرکار نظام کے ہاتھ میں آگئی[۱۳۱]۔

سلطنت میسور کی تقسیم اور موجودہ ریاست میسور کا قیام۔ ۴ مئی ۱۷۹۹ء کو ٹیپو سلطان کے مارے جانے پر میسور کی سلطنت فتحمندوں یعنی حیدرآباد اور انگریزوں کے ہاتھ میں آگئی اب یہ سوال پیدا ہوا کہ ریاست میسور کی تقسیم کن اصول کی بنا پر کی جائے پانگل کے معاہدہ کے مطابق ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ نصف ریاست کمپنی کو اور نصف سرکار نظام کو ملنی چاہیئے تھی۔ لیکن آصفجاہ ثانی نے جس طرح سے ابتدا میں صلح کا اختیار گورنر جنرل کو دیدیا تھا۔ اسی طرح تقسیم کے معاملہ میں بھی اپنے سپہ سالار میر عالم کو یہ ہدایت کی کہ "لارڈ ولزلی جس طریقہ پر تقسیم کریں تم اس سے اتفاق کر لینا"[۱۳۲] لارڈ ولزلی کی یہ رائے ہوئی کہ "تقسیم ملک میں انہیں اصول کو مدنظر رکھنا چاہیئے جن کی وجہ سے جنگ کرنی پڑی یعنی جس خطرہ کی مدافعت میں اس وقت ہتیار اٹھانا پڑا آئندہ کے لئے اس کا سدباب ہو جائے علاوہ اس کے تاوان جنگ وصول کیا جائے ان مقاصد کی تکمیل کا ایک طریقہ یہ ہے کہ مفتوحہ ممالک کا زیادہ حصہ کمپنی اور نظام اپنے قبضہ میں

---

۱۲۹ Owen's Despatches of Wellesley PAGES. 28 & 53.

۱۳۰ تحفۃ العالم صفحہ ۱۰۱۔

۱۳۱ Ibid P. 132 . . . .

۱۳۲ Malcolm's Political History of India P. 230

رکھ لین۔ لیکن اس کو عمل مین لانے کے لئے ہر ایک کا ٹھیک حصہ تجویز کرنا اور اصول تقسیم قائم کرنا نہایت دشوار ہے علاوہ ازین اسپر اعتراض یہ ہو سکتا ہے کہ جنگ کا مقصد فتوحات حاصل کرنا۔ ملکون پر قبضہ کرنا۔ ذرائع آمدنی مین اضافہ کرنا ہرگز نہ تھا اس لئے اس وسیع سلطنت کا انتظام ایسے اصول پر مبنی ہونا چاہئیے کہ جو مفتوحہ ممالک کے باشندون کے حسب مرضی اور ملحق ہندوستانی ریاستون کے لئے قابل تسلیم ہو"

"اس لئے اگر ریاست میسور کو کمپنی اور حیدرآباد آپس مین تقسیم کر لیں تو اس سے مرہٹون کو حسد کا موقع ملیگا آصفجاہ ثانی کی طاقت مین نامناسب اضافہ ہوجائیگا۔ اور میسور کے سرحدی قلعے حیدرآباد کے تحت آجانے سے انگریزی سرحد غیر محفوظ ہوجائیگی۔ علاوہ ازین اس تقسیم کی وجہ سے محض مرہٹون اور نظام کے درمیان ہی نہیں بلکہ ان دونون اور کمپنی کے درمیان بھی ہمیشہ تنازعات کی بنیاد قائم ہوجائیگی۔ لہذا اس پر عمل کرنا کسیطرح مناسب نہیں"[عہ]

اگر مفتوحہ ممالک کو تین مساوی حصوں مین تقسیم کر کے ایک حصہ مرہٹون کو دیا جائے تو یہ نظام کے ساتھ ناانصافی ہوگی۔ کمپنی کے لئے خلاف مصلحت ہوگا اور ہندوستانی حلیفون کے لئے ایک بری مثال قائم ہوجائیگی۔ کیونکہ مرہٹون نے جب جنگ مین کوئی حصہ نہیں لیا تو مساوی تقسیم کے کیون کر مستحق ہو سکتے ہیں اسکے سوا مرہٹون کی طاقت میں اضافہ کرنا عین حماقت ہے۔ لیکن ان کو اپنے ساتھ ملانا نہایت ضروری ہے لہذا مرہٹون کو اس طور پر حصہ دیا جائے کہ ان کو بھی

عہ { Owen's Despatches of Wellesley P. 134 .... Malcolm's P. 232 ....

اِس تقسیم و انتظام سے دلچسپی پیدا ہو جائے اور سرکار نظام کی مرضی کے خلاف بھی نہ ہو[شلہ]"۔ اِن تمام وجوہ کی بنا پر ولزلی نے یہ طے کیا کہ "سب سے پہلے میسور میں ایک نئی مرکزی حکومت قائم کر دی جائے جو کمپنی کے تحت ہو چنانچہ اسی سیاسی مصلحت کی بنا پر ٹیپو کے بیٹوں کو نظر بند کر کے ویلور بھجدیا گیا اور تقریباً نصف علاقہ پر جدید ریاست میسور قائم کی گئی جو وہاں کے قدیم راجہ کے خاندان کے ایک کمسن بچہ کرشنا راج اڈیار کے حوالے کی گئی" بعد ازاں تقسیم میسور کا عہدنامہ بتاریخ ۲۲ جون ۱۷۹۹ء کمپنی سرکار نظام اور جدید حکومت میسور کے مابین مرتب ہوا[شلہ] عہد معاونت قبول کرنیکی شرط پر پیشوا کو دس لاکھ پچاس ہزار روپیہ کا علاقہ پیش کیا گیا لیکن جب اُس نے اُس کو قبول کرنے سے انکار کیا تو آصفجاہ ثانی اور کمپنی نے اس علاقہ کو بھی آپس میں تقسیم کر لیا[شلہ] اِس اُصول تقسیم کا نتیجہ یہ رہا کہ ٹیپو کے خاندان میں سلطنت باقی رہنے سے جو اندیشہ ہو سکتا تھا وہ رفع ہو گیا اور میسور کا تقریباً نصف علاقہ وہاں کے قدیم راجہ کے خاندان کو دیکر اُس کو نہ صرف ممنونِ احسان بنا یا گیا بلکہ پسِ پردہ کمپنی نے ایک طرح پر میسور کو بھی اپنے تحت کر لیا باقی نصف میں سے کمپنی نے میسور کے ساحلی علاقے، ملیبار اور کرناٹک کے درمیانی علاقے۔ کنیرا کا صوبہ کوئمٹور ضلع وائناڈ اور شہر و جزیرہ سری رنگاپٹم وغیرہ جیسے اہم مقامات اور قلعے اپنے پاس رکھے

شلہ } Owen's Despatches of Wellesley P. 135 ....
Malcolm's History P. 233 ....

شلہ Ibid 241 ....

شلہ Our Faithful Ally the Nizam. P. 223.

سنہ ۱۷۹۲ء کے عہد نامہ کی رُو سے جو مقامات حیدرآباد کو ملے تھے اُس کے متصل کے علاقے سرکار نظام کو دئے گئے جس کی سرحد چتل دُرگ سیرا. نندی درگ اور کولار سے قائم ہو سکتی ہے لیکن یہ قلعے جات بھی نئی سلطنت میسور کے قبضے میں رکھے گئے اِس طرح صرف گوٹی اور گرم کنڈہ وغیرہ کے اضلاع تھوڑے عرصے کے لئے سرکار نظام کے ہاتھ آئے۔ بعد ازاں اکتوبر سنہ ۱۸۰۰ء میں کمپنی اور آصفجاہ ثانی کے درمیان جو دوامی عہد نامۂ مدافعانہ اتحاد ہوا اور جس کی رُو سے اعانتی فوج کی تعداد میں اضافہ عمل میں آیا اُس کے مصارف کے لئے یہ علاقے جو ۲۲ جون سنہ ۱۷۹۹ء کے عہد نامہ میسور کے مطابق تقسیم میں آئے تھے اور اُس کے پیشتر سنہ ۱۷۹۲ء کے عہد نامہ سری رنگا پٹم کی رو سے جو علاقے ہاتھ آئے تھے وہ سب کے سب ہمیشہ کے لئے فوجی مصارف کے نام سے واپس لے لیگئے۔

Owen's Despatches of Wellesley P - 136 . . . . ۸ش

Treaty of Defensive Alliance
12th October 1800 (Article's) Aitchison's Vol : V ۹ش

ولزلی کی نئی پالیسی "عہد معاونت" کے معنی اور منشا ۱۸۰۰ء میں حیدرآباد کا عہد معاونت قبول کرنا۔ انگریزوں اور مرہٹوں کی دوسری لڑائی۔ نواب نظام علیخاں کا انتقال۔

ولزلی کی نئی پالیسی عہد معاونت کے معنی اور منشا۔ نواب فتح علی خاں ٹیپو سلطان کی شہادت کے معنی "سلطنت خداداد میسور" کے خاتمے کے تھے۔ اس لئے اب دکن میں "توازن قوت" برقرار رکھنے کا سوال ختم ہو گیا اس کے بعد مرہٹوں سے کشمکش ناگزیر تھی۔ لہٰذا اس بات کی ضرورت سمجھی گئی کہ سابقہ نظریۂ توازنِ قوت کی بجائے "برطانوی سیادت" کے مسلک پر عمل درآمد شروع کیا جائے[1]۔ چنانچہ برطانوی سیادت قائم کرنے کیلئے ولزلی نے اقدام کی حکمت عملی (Forward Policy.) اختیار کی۔ برطانوی سلطنت ہند کی تاریخ میں ولزلی کے دور کی اہمیت اس لئے بھی زیادہ ہے کہ ولزلی پہلا شخص ہے جس نے یہ سمجھ لیا تھا کہ ہندوستان میں سیاسی توازن

[1] The Nizam by Macauliffe

قائم رکھنا ناممکن ہے اُس کی رائے میں امن صرف ایک ہی صورت میں قائم رہ سکتا تھا وہ یہ کہ پورے ہندوستان پر برطانوی سیادت قائم کی جائے جس کے لئے مرہٹوں کی جتھا بندی کو توڑنا نہایت ضروری تھا۔ لہٰذا ولزلی نے نظما رکمپنی اور وزرار انگلستان کی رائے کے بالکل خلاف ، ہندوستان میں کمپنی کی سیادت قائم کرنے کے لئے عہد معاونت کا طریقہ نکالا اور ان ریاستوں کو جو کمپنی کے تحت نہیں تھیں۔ عہد معاونت قبول کرنے کیلئے آمادہ کیا[۲] "ان معاہدات کی شرائط ایسی رکھی گئی تھیں کہ دیسی ریاستوں کو بالکل ایسے ذرائع سے محروم کر دیا جاتا تھا کہ جس سے وہ کوئی ایسے طریقے اختیار کر سکیں یا ایسے جتھے باندھ سکیں جو سلطنت برطانیہ کے تحفظ کے لئے باعث خطرہ ہوں ..... صاف الفاظ میں لارڈ ولزلی کو اہل ایشیا کی مضطربانہ حوصلہ مندی گوارا نہیں تھی اور اس نے برطانوی ذمیت ان تمام دیسی ریاستوں پر جنکا انگریزی حکومت سے کوئی تعلق تھا اس طرح پھیلانی چاہی کہ ہر حکمران کو مجبور کیا کہ وہ اپنی ذاتی فوج میں تخفیف کر دے اور اپنی اندرونی حفاظت اور مدافعت کے متعلق برطانوی شہنشاہی کی مقتدر فوجی قوت پر بھروسہ رکھے"[۳]

غرض یہ کہ ولزلی کی اس عہد معاونت کی پالیسی کا منشا صاف طور پر یہ معلوم ہوتا تھا کہ معاہدہ کرنے والی ہندوستانی ریاستیں انگریزوں کی خوشنودی

---

[۲] Owen's DesPatches of Wellesley P. 872.

[۳] ہندی مملکت برطانیہ صفحہ ۲۶۸۔

کو تسلیم کریں، ہتیار ڈالدیں اور اپنی خود مختاری کو خیرباد کہہ کر ایسے حلیف رئیسوں کی حیثیت اختیار کرلیں جنکے تمام خارجی تعلقات اور فوجی انتظامات بالکل انگریزوں کے ہاتھ میں ہوں۔

۱۸۰۰ء میں حیدرآباد کا عہد معاونت قبول کرنا۔

اس سے قبل ہی ولزلی نے ایسی سیاسی تدبیریں کی تھیں کہ ۱۷۹۸ء کے عہدنامہ کی رو سے سلطنت حیدرآباد انگریزوں کے زیر اثر آچکی تھی۔ اور فرانسیسی فوج کی علحدگی عمل میں آکر اُن کی جگہ انگریزی فوجیں بڑھادی گئی تھیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ حیدرآباد اور مرہٹوں کے تنازعات میں انگریزوں کی حیثیت ثالث کی قرار پاچکی تھی۔ ٹیپو سلطان کا خاتمہ کرکے حیدرآباد کی طرف ایک قدم اور بڑھایا گیا۔ جس کے وجوہات یہ بیان کئے گئے کہ "سرکار نظام اور انگریزوں کو میسور میں جو کامیابی نصیب ہوئی ہے اُس سے مرہٹوں کو حسد پیدا ہونے کی وجہ سے اُن کا طرز عمل زیادہ خطرناک ہوتا جارہا ہے اس لئے اس کی ضرورت سمجھی گئی کہ حیدرآباد کے ساتھ کمپنی کے جو تعلقات قائم ہیں اُن کو اور مستحکم کیا جائے"۔ چنانچہ ۱۲ اکتوبر ۱۸۰۰ء کو آصفجاہ ثانی کے ساتھ عام اعانت و حفاظت باہمدیگر کا ایک جدید عہدنامہ ہوا جسکی رو سے برطانوی حکومت نے ممالک محروسہ سرکار عالی کی حفاظت کے ذمہ داری لی اور اس عہدنامہ کی رو سے سابقہ اعانتی فوج میں پیدل کی دو پلٹنوں اور سواروں کی ایک رجمنٹ کا اضافہ عمل میں آیا اس طرح سابقہ اور جدید سپاہ کو ملاکر آٹھ ہزار پیدل اور ایک ہزار سواروں کی

اعانتی فوج قرار پائی جس کے جملہ اخراجات کی باقاعدہ ادائی کے لئے نواب آصفجاہ ثانی نے اُن تمام علاقوں کو دوامًا کمپنی کے حوالے کر دیا جو عہد نامہ سری رنگاپٹنم ۱۸۔ مارچ ۱۷۹۲ء اور عہد نامہ میسور ۲۲۔ جون ۱۷۹۹ء کے مطابق اُنہوں نے حاصل کئے تھے۔ (دفعہ ۵ عہد نامہ ۱۲۔ اکتوبر ۱۸۰۰ء) اور یہ فوج کنٹنجنٹ کے نام سے موسوم کی گئی۔ اِس عہد نامہ کی رو سے یہ بھی طے پایا کہ "اگر کسی سلطنت سے انگریزوں کی جنگ چھڑ جائے تو آصفجاہ ثانی اپنی حفاظت کے لئے صرف دو پلٹنیں رکھکر باقی تمام برطانوی اعانتی فوج اور اپنے خاص نو ہزار سوار اور چھ ہزار سپاہ جملہ بارہ ہزار سپاہی اور دس ہزار سوار مع توپ خانہ وغیرہ دشمن کے مقابلہ کے لئے روانہ کریں گے اور اس کے بعد بھی جتنی فوج ممکن ہو بھرتی کر کے مع ہمہ قسم کے سامان جنگ کے بھیجینگے اسی طرح وقت ضرورت کمپنی بھی علاوہ اِس اعانتی فوج کے بڑی سے بڑی فوج اپنی طرف سے مہیا کر کے آصفجاہ ثانی کے دشمن کے مقابلہ کے لئے روانہ کرے گی" (دفعہ ۱۲) اِسی عہد نامہ میں ایک اور دفعہ یہ بھی تھی کہ "دریائے تنگبھدرا کے جنوبی اضلاع مثلاً ادونی وغیرہ کمپنی کو دئے جائیں" اِس طرح تنگبھدرا کمپنی اور حیدرآباد کے درمیانی سرحد قرار پائی۔[شہ] دفعات پندرہ اور سولہ کے مطابق یہ اُمور طے ہوئے کہ "دوستی اور اتحاد کے لحاظ سے ہر دو سرکار کی حیثیت ایک جان دو قالب کی ہے لہٰذا آئندہ سے بغیر کمپنی کی اطلاع اور مشورہ کے آصفجاہ ثانی کسی ریاست سے کسی قسم کے تعلقات

Aitchison's collection of Treaties etc. Vol V P. 188. } شہ

نہ رکھیں اور نہ کسی سے جنگ وصلح کریں اور اگر کسی ریاست سے کوئی تنازعہ پیش آئے تو کمپنی جو تصفیہ کرے اُس کی پابندی کی جائے اِسی طرح کمپنی کو سرکار نظام کی اولاد ۔ اعزہ ۔ رعایا اور ملازمین کے معاملات میں دخل دینے کا کوئی حق نہ ہوگا اِن معاملات میں سرکار نظام بالکل خود مختار رہیں گے" (دفعہ ۱۵ و ۱۶ عہدنامہ سنہ ۱۸۰۰ء) ولزلی کی رائے میں اس عہدنامہ سے حیدرآباد کو جو فوائد حاصل ہوئے وہ کمپنی کے فوائد سے بہت زیادہ تھے ۔ مثلاً یہ کہ "حیدرآباد سے ایسے علاقے لئے گئے جس سے ریاست کو کچھ آمدنی نہ تھی بلکہ کمپنی کے سپاہ کے اخراجات ریاست کے دوسرے حصوں کی آمدنی سے پورے ہوتے تھے لہذا اب یہ بیجا بار اُٹھ گیا اور آیندہ کے لئے بقایا اور تقاضہ سے نجات مل گئی ساتھ ہی ساتھ ریاست کے سابقہ حدود میں کوئی فرق نہ آیا اِسی طرح اِس عہدنامہ کے بعد ریاست کو مرہٹوں سے ہمیشہ کے لئے نجات مل گئی" ولزلی نے آخری فائدہ یہ بتایا کہ گو خود مختارانہ حیثیت ختم ہوگئی اقتدار میں بھی کمی ہوئی لیکن ریاست کا وجود مستقل ہوگیا۔[2]

اِس عہدنامہ سے ولزلی کی رائے میں خواہ کتنے ہی فوائد کیوں نہ حاصل ہوتے ہوں لیکن حیدرآباد کے خارجی اختیارات کا خاتمہ سیاسی نقطہ نظر سے کوئی معمولی نقصان نہ تھا اس عہدنامہ کے بعد اقوام عالم کی نظروں میں حیدرآباد کی جو حیثیت قرار پائی ۔ اس کے قطع نظر خود کمپنی اور حیدرآباد کے درمیان اب وہ تعلقات باقی نہیں رہے جو اس عہدنامہ سے پیشتر تھے اس کو اس معاہدہ کا

---

[1] Aitchison's Vol. (V) Page 188.

[2] Deshatches of Wellesley to Lord Castlereagh Dec 1803

پنچوڑ کہنا چاہیئے کہ اندرونی خودمختاری برقرار رہی لیکن اس کے بعد سلطنت کی بیرونی آزادی کا خاتمہ ہوگیا۔

انگریزوں اور مرہٹوں کی دوسری لڑائی۔ بقول آرتھر ولزلی "حیدرآباد سے عہد معاونت ہونے کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ عہدنامہ بسیئن لکھا جائے"۔ چنانچہ خود گورنر جنرل کی یہ رائے تھی کہ "ہندوستان کے امن کو اعلیٰ درجہ کے استقلال کے ساتھ قایم کرنے اور فرانسیسی مداخلت کا ہمیشہ کے لئے سدباب کرنے کیلئے بس صرف اس کی ضرورت ہے کہ حکومت برطانیہ مرہٹوں کو اپنی حمایت میں لے لے" اس مقصد کو پیش نظر رکھ کے ولزلی نے مرہٹوں کی طرف توجہ مبذول کی۔ نانافرنویس کی وفات ۱۸۰۰ئہ کے بعد سے مرہٹوں میں جو خانہ جنگی شروع ہوئی تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پیشوا باجی راؤ نے عہدنامہ بسیئن ڈسمبر ۱۸۰۲ئہ کی رُو سے عہدِ معاونت قبول کرلیا۔ اس معاہدہ کی وجہ سے مرہٹوں کی طاقت کو اتنا صدمہ پہنچا کہ وہ پھر پنپ نہ سکے اس لحاظ سے اس عہدنامہ کو مرہٹوں اور کل ہندوستانی ریاستوں کے استیصال اور کمپنی کے اقبال کی کلید سمجھنا چاہیئے۔ اسی زمانہ میں یہ واقعہ پیش آیا کہ آصفجاہ ثانی کی صحت دن بدن خطرناک ہوتی گئی اس لیئے مرہٹہ سرداروں نے جو پیشوا کے عہد معاونت قبول کرلینے کی وجہ سے برانگیختہ تھے یہ ارادہ کیا کہ "حیدرآباد پر حملہ کرکے یہاں کے معاملات میں مداخلت کریں اور آصفجاہ ثانی کے انتقال پر ولیعہد سکندرجاہ کو جو کہ اعظم الامرا کی واپسی کے بعد سے انگریزوں کی تائید میں تھے تخت نشین نہ ہونے دیں"[۵۹] اس ارادے

---

[۵۹] ہندی مملکت برطانیہ صفحہ ۲۷۔ ۵۹
Historical and Descriptive sketch Vol. I P. 105.

ابھی مرہٹے حیدرآباد پر حملہ آور نہیں ہوئے تھے کہ ۶ اگسٹ ۱۸۰۳ء کو تقریباً بیالیس[۴۲] سال حکومت کرنے کے بعد اکہتر[۷۱] برس کی عمر میں نواب نظام الملک آصفجاہ ثانی میر نظام علیخاں بہادر نے انتقال کیا[۱۱] مراسم تعزیت ادا کرنے کے بعد بلا کسی مزاحمت کے اُن کے فرزند دوم میر اکبر علیخاں شہزادہ سکندر جاہ بہادر تخت نشین ہوئے اور نواب نظام علیخاں کا لقب بعد وفات "غفران مآب" قرار دیا گیا[۱۱]

اس اثناء میں جب راجہ بہونسلا کی فوجیں ممالک محروسہ کی سرحد کے قریب پہونچ گئیں تو اُن کے مقابلہ کے لئے کرنل اسٹیفن کی ماتحتی میں حیدرآباد کی اعانتی فوج کی چھ پلٹنیں اور سواروں کی دو رجمنٹیں مع سرکار عالی کے پندرہ ہزار سواروں کے روانہ ہوئیں[۱۲] اور آرتھر ولزلی پونہ کی طرف بڑھا پہلا معرکہ ۲۳ ستمبر ۱۸۰۳ء کو

---

[۱۰] A History of Nizam Ali Khan by Hollingbery P. 70.

[۱۱] خورشید جاہی صفحہ ۵۴۴۔ رشید الدین خانی صفحہ ۲۱۰۔

نوٹ۔ صحن مکہ مسجد میں نواب نظام علیخاں کو دفن کرکے قبر کے اطراف سنگ مرمر کی جالی لگائی گئی تھی اور سرہانے کے دروازہ کی پیشانی پر ذیل کا قطعہ کندہ کرایا گیا تھا۔ لیکن حال میں شاہی مزارات پر جو جدید عمارت بنی ہے اس میں یہ کتبہ نصب نہیں کیا گیا۔

قطعہ

بر روح پاک میر نظام علی مدام	خوانند با وضو ہمہ اشخاص فاتحہ
زیں معرکہ عجیب دو تاریخ رانجواں	مستوجب بہشت و باخلاص فاتحہ
	۱۲۱۸ھ ۱۲۱۸ھ

[۱۲] Historical and Descriptive sketch Vol. I. P. 166

اورنگ آباد کے قریب بمقام آسائی ہوا بعدازاں بمقام لاسواری اور آرگاؤں لڑائیاں ہوئیں بالآخر بھونسلا اور سندھیا کو شکست کھا کہ عہدنامۂ دیوگاؤں اور عہدنامہ سرجی ارجن گاؤں کی رو سے عہد معاونت قبول کرنا پڑا[۱۳] اِس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک طرف پیشوا سندھیا وغیرہ کے عہد معاونت قبول کرنے سے مرہٹوں کی طاقت ٹوٹ گئی اور دوسری جانب ممالک محروسہ سرکارعالی کی حدود محفوظ ہوگئیں[۱۴]۔

۱۳؎ Owen's Despatches of Wellesley PAGES 400-422

۱۴؎ Abid P. 436 . . . . Historical And Descriptive Sketch Vol. I. P 106

باب دہم

نواب نظام علیخاں بہادر کی پالیسی اور اُس کا حق بجانب ہونا۔

اٹھارویں صدی کا زمانہ ہندوستان کی تاریخ میں ہر نقطہ نظر سے ایک عام انحطاط کا زمانہ ہے اِس لحاظ سے اُس زمانہ کے کسی حکمران کے متعلق یہ توقع رکھنی فضول ہے کہ اُس کے فوجی کارنامے عدیم المثال ہوں یا اُس کا تدبّر اور سیاست دانی ایسی ہو کہ وہ بساط سیاست کو اُلٹ دے۔ اُس زمانہ کے لحاظ سے جبکہ بزور شمشیر یا تلوار کے کارگر نہ ہونے کی صورت میں بظاہر اتحاد اور دوستی کے پیرائے میں انگریز تدبّر سے یکے بعد دیگرے ہندوستانی ریاستوں کو اپنے مقبوضات میں شامل کر رہے تھے ایسے نازک وقت میں سلطنت حیدرآباد کا وجود برقرار رکھنا خود نواب نظام علیخاں بہادر آصفجاہ ثانی کے تدبّر اور اُن کی پالسی کے حق بجانب ہونے کی کافی دلیل ہے۔

مزید برآں جب اُس عہد کے گوناگوں مصایب اور پیچ در پیچ سیاسی مشکلات پر نظر ڈالی جائے تو نواب نظام علیخاں بہادر کی شخصیت اُن کے ہمعصروں میں ممتاز دکھائی دیتی ہے حالانکہ اُن کے معاصرین میں ایسے ایسے

روشن دماغ مُدبر اور بہادر سپاہ سالار تھے کہ جنکی نظیر بعد کے زمانہ میں نہیں ملتی مثلاً مرہٹوں میں مادھوجی سندھیا اور نانا فرنویس' میسور میں حیدر علی اور ٹیپو سلطان' انگریزوں کے پاس کارنوالس اور ولزلی وغیرہ گو اِن میں سے ہر ایک کو طرح طرح کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا لیکن نواب نظام علیخان بہادر کی مشکلات خاص قسم کی تھیں۔

وہ مشکلات یہ تھیں کہ بانیٔ سلطنت نواب نظام الملک آصفجاہ اول کے انتقال پر دکن میں جو خانہ جنگی ہوئی اور بعد ازاں صلابت جنگ کے عہد حکومت کا نتیجہ یہ تھا کہ حکومت کے ہر رگ و پے میں کمزوری سرایت کر گئی تھی درباری اُمرا کی سازشوں کے علاوہ دوستی کا دم بھر کے فرانسیسی علحدہ ریشہ دوانیاں کر رہے تھے اور انگریز علحدہ' اِس طرح ایک طرف تو سلطنت حیدرآباد کی اندرونی سیاسیات پیچ در پیچ حالت میں تھی دوسری جانب سلطنت کے لئے دو اور زبردست خطرے سے لگے ہوئے تھے ایک تو سلطنت کے گویا ابدی دشمن مرہٹوں کا دوامی خطرہ تہا دوسرا میسور کی بڑہتی ہوئی قوت کا ڈر' اِس پُر لطف یہ کہ جنوبی ہند کی حریف ریاستوں یعنی میسور انگریز اور مرہٹوں کے درمیان مسلسل کشمکش جاری تھی ایسی صورت میں اِن ہمسایہ ریاستوں کے تعلقات اور موقع محل کے اعتبار سے سلطنت حیدرآباد کے لئے غیر جانبداری کے مسلک پر عمل کرنا بھی ناممکن تھا۔

مرہٹوں کا خطرہ۔ مرہٹے ابتدا میں چوتھ کے حقوق حاصل کر کے اِس بہانہ سے ملک پر قبضہ کیا کرتے تھے چنانچہ اُنہوں نے اسی حیلے سے ایک

زمانہ میں ہندوستان میں اِس قدر اقتدار حاصل کرلیا تھا کہ اُن کا ایک سردار
مادھوجی سندھیا شہنشاہ دہلی کے وکیل مطلق کی حیثیت سے مغلیہ سلطنت کے
نظم ونسق پر حاوی ہوگیا تھا اِسی طرح ایک عرصے سے چوتھ کے نام سے مرہٹوں
نے دکن میں لوٹ مار کا بازار گرم کر رکھا تھا رعایا اور عوام الناس کی آنکھیں
اُمرا کی طرف لگی ہوئی تھی کہ کوئی تدبیر نکالی جائے لیکن اُمرا توجہ ہی نہیں کرتے
تھے[۱] موقع پاکر مرہٹے نہ صرف ملک دکن کو تاراج کرتے جا رہے تھے بلکہ صلابت جنگ
کے آخری زمانہ میں اُنہوں نے سلطنت آصفیہ کو سخت نقصان پہونچایا تھا
اور ۶۲ لاکھ روپئے آمدنی کے علاقے پر قبضہ کرلیا تھا اور اُس وقت ایسا
معلوم ہوتا تھا کہ بقیہ ملک پر بھی بہت جلد مرہٹوں کا قبضہ ہوکر رہے گا۔[۲]

یوں کہنے کو تو پونا کا مختار کل "نانا پھڑنویس میگفت کہ قیام دولت
آصفیہ موجب قیام دولت ماست"[۳] لیکن حقیقت میں مرہٹوں کی خواہش
یہی تھی کہ آصفجاہ کی اولاد دکن کی حکومت سے محروم ہوجائے[۴] اِسی لئے وہ
جھوٹے دعوے پیش کرکے[۵] ہمیشہ لڑائی کے لئے تیار رہتے تھے۔

میسور کا خطرہ۔ جب مرہٹوں کے پے در پے حملوں اور ملک کی انتظامی
خرابیوں کی وجہ سے سلطنت آصفیہ میں کمزوری پیدا ہوتے گئی تو سلاطین میسور

---

[۱] تحفتہ العالم صفحہ ۹۸۔

[۲] Kincaid's History of the Maratha people Vol. III. P 41.

[۳] تاریخ ماہ نامہ قلمی فارسی ورق (۶۱) [۴] سیر المتاخرین جلد سوم صفحہ ۹۰۲۔

[۵] Owen's Despatches of Wellesley P XCI. . . .

(حیدر علی اور ٹیپو سلطان) نے اس سے فائدہ اٹھایا کہ دکن سے ماتحتی اور خراج گزاری کا تعلق منقطع کر کے خود مختارانہ روش اختیار کی اور جب ان کی جنگی قوت اور حدود ریاست میں کافی اضافہ ہوا تو ٹیپو سلطان کو نہ صرف سلاطینِ دکن کی ہمسری کا دعویٰ پیدا ہوا بلکہ اس کے بعد سلطنت حیدرآباد کو وہ بالکل "ہیچ" سمجھنے لگا۔[لے]

ان خطرات سے پیشتر ہی دوستی کا دم بھر کے خانہ جنگی کے زمانہ میں اور بعد ازاں صلابت جنگ کے کمزور عہد حکومت میں فرانسیسیوں نے سلطنت حیدرآباد میں اتنا اقتدار حاصل کر لیا تھا کہ ان کی وجہ سے سلطنت کی بقا کے لئے خطرہ معلوم ہونے لگا تھا۔ انہیں وجوہات کی بنا پر فرانسیسی اقتدار کو گھٹانے کے لئے وزیر سلطنت صمصام الدولہ شاہ نواز خاں جیسے مدبر نے صلابت جنگ کے آخری زمانہ میں نواب نظام علیخاں کو بڑھانے کی پالیسی اختیار کی جو کامیاب ثابت ہوئی خود نظام علیخاں بہادر فرانسیسیوں کے خطرے سے خائف ہو کر ان کی مخالفت پر کمربستہ ہو گئے اور سلطنت کے مفاد کے لئے باوجود ناقدر شناشی کے وہ اپنے "برادر نامہربان" کی پشت پناہی کرنے لگے۔[شہ]

چونکہ مرہٹوں کا خطرہ ہمیشہ لگا ہوا تھا لہذا اپنی تخت نشینی کے قبل سے لیکر اپنے آخری عہد حکومت تک نواب نظام علیخاں بہادر کی یہی کوشش رہی

لے تاریخ ماہ نامہ فارسی قلمی ورق (۵۵)؛ شہ خورشید جاہی صفحہ ۱۲۱۔

شہ ... Historical and Descriptive sketch Vol. I. P. 83

اور اُن کی خارجی پالیسی کا خاص مقصد یہی رہا کہ بقیہ ملک کو مرہٹوں کی دست بُرد سے بچایا جائے اور پچھلی لڑائیوں میں جو علاقے مرہٹوں کے قبضے میں چلے گئے ہیں اُن کو پھر حاصل کیا جائے یہی وہ خاص مقصد تھا جس کو پیش نظر رکھ کے نواب آصفجاہ ثانی نے ہمیشہ مرہٹوں کے خلاف کسی نہ کسی قوت کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی خواہ وہ قوت فرانسیسوں کی ہو یا انگریزوں کی یا کبھی مصلحت وقت سمجھکر خود مرہٹوں کے ایک فریق کا ساتھ دیا اور کبھی دوسرے فریق کا چونکہ سلطنت بہت کمزوری کی حالت میں تھی اس لئے اس بات کی سخت ضرورت پیش ہوئی کہ کسی نہ کسی ریاست کے ساتھ دوامی اتحاد قایم کرکے سلطنت کو استحکام پہونچایا جائے چنانچہ انگریزی کمپنی کے ساتھ رابطہ اتحاد قائیم کیا گیا اور کارنوالس کے زمانہ میں میر عالم کو سفیر بناکر کلکتہ بھیجا گیا[۵۱]۔ خارجی معاملات کے نقطہ نظر سے یہ سفارت اس لئے کامیاب کہی جاسکتی ہے کہ کارنوالس نے جو اتحاد ثلاثہ قائم کیا اس میں کمپنی کے ساتھ حیدرآباد اور مرہٹے برابر کے شریک تھے اس سے ایک فائدہ تو یہ ہوا کہ مرہٹوں کے حملے بند ہوگئے دوسرا فایدہ یہ حاصل ہوا کہ ٹیپو سلطان کی بڑھتی ہوئی طاقت سے سلطنت حیدرآباد کو جو خطرہ پیدا ہو رہا تھا وہ خطرہ رفع ہوگیا جنوبی ہند کی سلطنتوں میں ایک طرح کا توازن قوت قایم ہوگیا لیکن سرجان شور نے عدم مداخلت کی پالیسی پر عمل کرکے اپنی انتہائی ناعاقبت اندیشی سے مصیبت کے وقت حیدرآباد کو مرہٹوں کے خلاف امداد دینے سے جو

[۵۱] تحفتہ العالم صفحہ ۹۰۔

انکار کیا اُس کی وجہ سے ۱۷۹۵ء میں بمقام کھرڈلا حیدرآباد کو سخت شکست اُٹھانی پڑی اور کم از کم چند دنوں کے لئے حیدرآباد کی حیثیت ہندوستان کی ایک سربرآوردہ سلطنت سے گر کر مرہٹوں کی ایک باجگزار ریاست کی ہوگئی[۱۱] یہ زمانہ حیدرآباد کی سیاسی تاریخ میں نہایت نازک زمانہ ہے کہ ایک طرف تو حیدرآباد کو اتنی زبردست ہزیمت اُٹھانی پڑی اور مرہٹوں کے مجوزہ شرائط کے مطابق ملکی اور مالی نقصان کے علاوہ وزیر دکن اعظم الامرا کو مرہٹوں کے حوالے کرنا پڑا دوسری جانب ۱۷۹۶ء میں کچھ عرصے تک آصفجاہ ثانی علیل ہوگئے تو اُس وقت جانشینی کے مسئلہ پر جو گفتگو ہوتی رہی اُس سے اِس امر کا بخوبی پتہ چلتا ہے کہ دربار دکن کی اندرونی حالت کس درجے خراب تھی دربار دکن میں کم از کم چار پانچ فریق ایسے تھے کہ جنکے مقاصد متضاد تھے اور جنکی وجہ سے حکومت کے کاروبار میں خلل واقع ہونے لگا تھا مثلاً ولیعہد سکندرجاہ کی پارٹی فرانسیسیوں کی طرفدار تھی اور اُن سے رابطہ اتحاد قایم کرنے کی متمنی تھی کیونکہ اُس زمانہ میں اُن کے سپہ سالار موسیو ریموں کا دربار دکن میں بڑا رسوخ تھا دوسرا فریق پائیگاہ والوں کا تھا جو دوسرے ایک شہزادے فریدونجاہ کی حمایت میں تھا یہ فریق بعد میں انگریزوں کی مخالفت میں فرانسیسیوں کی پارٹی سے متحد ہوگیا تھا فرانسیسی فریق میں بعض لوگ ایسے بھی تھے کہ جنکا خیال ٹیپو سے اتحاد قائم کرنے کا تھا[۱۲]

---

[۱۱] Owen's Despatches of Wellesley P. LXXV.

[۱۲] Our faithful Ally the Nizam. P. 192

[۱۳] Owen's Despatches of Wellesley P. 3½.

برخلاف اس کے ایک اور فریق بھی ایسا موجود تھا جو مرہٹوں کا طرفدار تھا اور شاید سب سے زبردست فریق وہ تھا جو انگریزوں سے دوبارہ اتحاد قایم کرنیکا متمنی تھا اور جس کے سرگروہ میر عالم جیسے باثر لوگ تھے[۱] دربار دکن میں جو فریق کہ فرانسیسوں کا طرفدار تھا ریموں کی موت کے بعد وہ بے سرا ہوگیا اور دوسرا فریق جو انگریزوں سے گہرے تعلقات قایم کرنے کا متمنی تھا اُس کو وزیر دکن اعظم الامرا کی رہنمائی اور سرپرستی سے مزید تقویت پہونچی کیونکہ اعظم الامرا بھی میر عالم کی طرح انگریزوں کے حد درجہ طرفدار تھے۔

بالآخر ادہر انگریز دوست فریق کی خواہش اور اُدہر ولزلی کی کوششوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ ۱۷۹۸ء میں کمپنی اور حیدرآباد کے درمیان دوبارہ عہدنامہ اتحاد عمل میں آیا جسکی رو سے فرانسیسی خارج البلد کئے گئے اور حیدرآباد میں اُن کا نام و نشان تک باقی نہیں رہا۔ بعد ازاں چوتھی جنگ میسور میں ٹیپو سلطان کے خاتمہ کے ساتھ سلطنت میسور کا خطرہ بھی رفع ہوگیا اب صرف ایک خطرہ سلطنت حیدرآباد کے لئے باقی رہ گیا تھا وہ مرہٹوں کا تھا چنانچہ ۱۸۰۰ء میں حیدرآباد کے عہد سعادنت قبول کرنے کی وجہ سے کمپنی نے اندرونی اور بیرونی دشمنوں کے خلاف حیدرآباد کی حفاظت کا ذمہ لے لیا اور حیدرآباد و مرہٹوں کے معاملات میں کمپنی کی حیثیت ثالث کی قرار پاگئی اُس سے مرہٹوں کی مداخلت کا بھی خاتمہ ہوگیا اس طرح حیدرآباد کے لئے جو زبردست خطرے تھے اُن کا

Our Faithful Ally the Nizam, P 204. [۱]

یکے بعد دیگرے سدِّ باب ہوتا گیا۔ انگریزوں سے دوامی اتحاد کا عہد و پیمان ہونے اور عہد معاونت قبول کرنے سے حیدرآباد کو اگرچہ دو چیزیں قربان کرنی پڑیں ایک تو وہ علاقے تھے جو میسور کی پچھلی لڑائیوں میں حیدرآباد کے ہاتھ آئے تھے اب وہ علاقے اعانتی فوج کے مصارف کے لئے کمپنی کو واپس دیئے گئے[الف] دوسرا یہ کہ سلطنت کی بیرونی آزادی کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہنا پڑا لیکن اِس عہد نامہ کی رو سے فوائد بھی حاصل ہوئے اول تو یہ کہ سلطنت آصفیہ کا وجود مستقل ہوگیا دوم یہ کہ اُس کے بعد سے سلطنت کو نہ کسی بیرونی حملہ آور کا خطرہ رہا اور نہ اندرونی شورش اور فساد کا ڈر سوم یہ کہ اندرونی معاملات میں سلطنت کی خود مختاری حسب سابق برقرار رہی جس کی وجہ سے سلطنتِ آصفیہ میں امن و امان اور خوشحالی کے سامان مہیا ہوگئے۔

خلاصہ یہ کہ نواب نظام علیخاں بہادر نے محض سلطنت کے مفاد کی خاطر اپنا ایک خاص نصب العین قرار دے رکھا تھا وہ یہ کہ کسی طرح سلطنت کا وجود برقرار رکھا جائے اِسی بنا پر اُنہوں نے توازن قوت قایم رکھنے کے لئے ہمسایہ ریاستوں کے معاملات میں حصہ لیکر کبھی ایک فریق کا ساتھ دیا اور کبھی دوسرے کا۔ اور آخر پر انگریزوں سے مستقل تعلقات قایم کر کے سلطنت آصفیہ کے لئے فرانسیسیوں ٹیپو اور مرہٹوں کے جو زبردست خطرات تھے اُن کو رفع کیا اور خود اندرون ملک کو فتنہ فساد سے پاک کر کے امن و امان قایم کیا اس طرح آصفجاہ ثانی نے اپنی دوراندیشی اور حکمت عملی سے نہ صرف سلطنت کی ڈوبتی ناؤ کو بچا لیا بلکہ اپنے عہد حکومت میں ممالک محروسہ کا رقبہ وسیع کر کے سلطنت آصفیہ کا وجود ہمیشہ کے لئے مستقل اور مستحکم کر دیا۔

[الف] Ceded Districts.

ضمیمہ الف

شجرہ خاندان آصفیہ

میر شہاب الدین المخاطب بہ غازی الدین (اول)

نواب میر قمر الدین خاں نظام الملک آصفجاہ اول (۱۷۱۳ء تا ۱۷۴۸ء)

- غازی الدینخاں ثانی — غازی الدینخاں ثالث
- نواب ناصر جنگ (۱۷۴۸ء تا ۱۷۵۰ء)
- نواب صلابت جنگ (۱۷۵۱ء تا ۱۷۶۲ء)
- نواب میر نظام علیخان نظام الملک آصفجاہ ثانی (۱۷۶۲ء تا ۱۸۰۳ء)
- بسالت جنگ
- ناصر الملک میر مغل علیخاں
- دختر — مظفر جنگ (۱۷۵۰ء ۱چند روز)

نواب میر نظام علیخان نظام الملک آصفجاہ ثانی کی اولاد:

- عالیجاہ
- نواب سکندر جاہ آصفجاہ ثالث (۱۸۰۳ء تا ۱۸۲۹ء)
- فریدونجاہ
- جہاندار جاہ
- اکبر جاہ
- سلیمانجاہ
- کیوانجاہ

نواب سکندر جاہ آصفجاہ ثالث (۱۸۰۳ء تا ۱۸۲۹ء)

نواب ناصر الدولہ آصفجاہ رابع (۱۸۲۹ء تا ۱۸۵۷ء)

نواب افضل الدولہ آصفجاہ خامس (۱۸۵۷ء تا ۱۸۶۹ء)

نواب میر محبوب علیخان آصفجاہ سادس (۱۸۶۹ء تا ۱۹۱۱ء)

اعلحضرت نواب میر عثمان علیخاں بہادر نظام الملک آصفجاہ سابع خلد اللہ ملکہ و دولتہ (۱۹۱۱ء)

بحوالہ۔

۱- تاریخ رشید الدین خانی صفحہ ۲۱۷-

۲- لیون بی بورنگ صاحب چیف کمشنر میسور مصنف "حیدر علی اینڈ ٹیپو سلطان"

۳- The Nizam by Macauliffe

ضمیمہ (ب)

نواب نظام علیخان بہادر کے عہد حکومت کے وزرائے دکن

نام وزیر	مدت وزارت	کیفیت
۱۔ راجہ پرتاب ونت	سنہ ۱۷۶۰ء تا سنہ ۱۷۶۲ء	گوداوری کے قریب جنگ مرہٹہ میں مارے گئے۔
۲۔ رکن الدولہ احتشام جنگ میر موسیٰ خاں	۱۷۶۲ء تا سنہ ۱۷۷۵ء	دربار کی سازش میں مارے گئے۔
۳۔ ظفر الدولہ۔	سنہ ۱۷۷۵ء تا سنہ ۱۷۸۱ء	دیوانی کا خلعت ان کے تفویض نہیں ہوا تھا یہ صرف قایم مقام مدار المہام کے تھے۔
۴۔ مشیر الملک اعظم الامرا ارسطو جاہ غلام سید خاں۔	سنہ [illegible] تا سنہ ۱۸۰۳ء	یہ نواب نظام علیخاں کے عہد کے خاص وزیر با تدبیر تھے۔

بحوالہ تاریخ خورشید جاہی صفحہ [illegible]

ضمیمہ (ج)

نواب نظام علیخاں بہادر کے عہد حکومت کے انگریزی رزیڈنٹ

نام رزیڈنٹ	مدت قیام	کیفیت
۱۔ مسٹر ہالینڈ	۱۷۷۹ء تا ۱۷۸۰ء	یہ شخص سب سے پہلے انگریزی سفیر یا پولیٹکل ایجنٹ کی حیثیت سے حیدرآباد آیا تھا۔
۲۔ مسٹر جی گرانٹ	۱۷۸۰ء تا ۱۷۸۴ء	دوسرا سفیر جو بعد میں پولیٹکل رزیڈنٹ کے نام سے موسوم ہوا۔
۳۔ مسٹر آر جانسن	۱۷۸۴ء تا ۱۷۸۶ء	رزیڈنٹ حیدرآباد
۴۔ کیپٹن سر جان کینوے۔	۱۷۸۸ء تا ۱۷۹۴ء	رزیڈنٹ حیدرآباد
۵۔ میجر ولیم کرک پٹرک۔	۱۷۹۴ء تا ۱۷۹۸ء	ان کو دربار آصفیہ سے دلاور جنگ کا خطاب عطا ہوا تھا
۶۔ کرنل ایچلس کرک پٹرک	۱۷۹۸ء تا ۱۸۰۵ء	ان کو حشمت جنگ مؤتمن الملک افتخار الدولہ کا خطاب عطا ہوا تھا اور انہی کے زمانہ میں نظام کو وہ سفیر [illegible] تھے سو تو نہ سمجھو [illegible]

غلط نامہ مقالۂ آصفجاہ ثانی
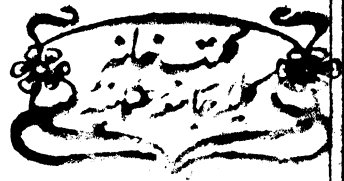
صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۸	۱۰	عبد ا لطیف	عبد اللطیف
۸	۱۴	Loyall.	Lyall.
۱۴	۳	....	Hollingbery.
۲۱	حاشیہ ۵	...	Kincaid.
۳۲	۴	ہوی	ہوگئی
۳۷	حاشیہ ۱۴	....	The Nizam
۴۰	حاشیہ ۱۹	....	Personal courage.
۴۸	حاشیہ ۲۸	...	Page 84.
۶۵	حاشیہ ۹	....	Aitchisons' P. 133.
۷۷	حاشیہ ۱۵	....	Narrative P. 226.
۸۶	۹	ایجنسی	ریجنسی
۸۸	حاشیہ ۱۳	...	Grant Duff's.
۹۳	حاشیہ ۲۹	....	Hollingbery P. 29.
۹۷	۴	دان	×
۱۰۱	حاشیہ ۱۲	...	Our Faithful Ally the Nizam.
۱۰۲	۱۱	پھوٹ ڈلوادی	پھوٹ پڑگئی
۱۱۲	۷	اور	×
۱۱۶	حاشیہ ۲۹	....	Defentive Allianoe.
۱۲۳	حاشیہ ۱۲	...	P. 106.
۱۲۴	۲	کہاکہ	کہاکر
"	حاشیہ ۱۴	....	Historical & Descriptive sketch. vol I. P. 436.